

منشور

حیات و کائنات کا ترجمان

فروری ۱۹۷۰ء

جلد ۷
شمارہ ۲

مدیر
سبط اختر

منتظم
س، م صادق

قیمت
مغربی پاکستان
فی پرچہ ۔ ۵۰ پیسے
سالانہ ۔ ۵ روپے
مشرقی پاکستان
(ہوائی ڈاک سے)
فی پرچہ — ۶۵ پیسے
سالانہ — ۷ روپے

ناشر سبط اختر
طابع سید صابر علی
مشہور پریس
کراچی

پتہ
کے-۱۸ جوہر کالونی
نزد بسم اللہ ہوٹل
منگھوپیر روڈ کراچی ۱۶

پاکستان کا مطلب کیا؟ — لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ
کھیت وڈیروں سے لے لو — ملیں لٹیروں سے لے لو
ملک اندھیروں سے لے لو — رہے نہ کوئی عالی جاہ!
پاکستان کا مطلب کیا؟ — لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ

انتخابات سے پہلے سوچنا یہ ہے کہ:

صدر مملکت نے یکم جنوری ۷۰ء سے سیاسی سرگرمیاں جاری رکھنے کیلئے جن قوانین کا نفاذ کیا تھا انہیں مارشل لا کا ضابطہ نمبر ۶۰ کہا جاتا ہے۔

یہ ضابطہ، دراصل سرکاری نقطۂ نگاہ سے ایک قسم کا سیاسی چیر پھاڑ ہے اس میں حکومت ان سارے سیاسی چیر پھاڑوں کو بند کرتی رہے گی جو سیاسی سکون و اطمینان کو کترنے کی کوشش کریں گے۔

"بظاہر" یہ بڑا اچھا ضابطہ ہے۔ عام طور پر سب نے ہی اس ضابطے پر اتفاق رائے کا اظہار کیا ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، سو ہم نے اپنے طور پر ان تمام "خدشات" کا اظہار پہلے ہی کر دیا تھا، جو ملک کی عام سیاسی فضا کے بارے میں ہم نے محسوس کئے ہیں۔

"ضابطہ" کے بارے میں جنوری کے مہینے کی سیاسی سرگرمیوں کے پیش نظر ہمارا یہ خیال ہے کہ یہ ضابطہ نامکمل اور فوری طور پر ترمیم طلب ہے۔ یہ ضابطہ کتنی ہی سختیوں کے ساتھ کیوں نہ نافذ کیا جائے، ماضی کی بگڑی ہوئی صورتحال کو روز بروز بگڑنے سے نہیں روک سکتا!

پچھلے بائیس سالوں میں اس ملک کے منافع خوروں نے معصوم عوام کو انتہائی بے دردی سے لوٹا ہے۔ اور لوٹ لوٹ کر لوگوں کو واضح طور پر دو حصوں میں بانٹ ڈالا ہے۔ ان میں سے ایک حصہ، محبان وطن کا ہے اور دوسرا حصہ غداران وطن کا ہے۔ ہم اپنے اس دعوے کے ثبوت میں ایک نہیں بلکہ ہزاروں ثبوت فراہم کر سکتے ہیں اور تو اور، اب تو خود ایسے مضامین بھی ہزاروں کی تعداد میں شائع کئے جا رہے ہیں جو کل تک "گھر کے بھیدی" اپنے پاس سربستہ رازوں کی طرح محفوظ کئے ہوئے تھے۔ اب یہ لیٹرے اپنی اپنی لوٹ کا مال ملک میں موجودہ انتخابی مہم پر خرچ کر رہے ہیں۔ لیکن موجودہ ضابطہ اس ضمن میں خاموش ہے۔ نہ تو غداروں کی سرکوبی کی گئی ہے اور نہ لیٹروں کی دولت ضبط کی گئی ہے۔ پھر بھلا غداری اور لوٹ کھسوٹ کے یہ سرپرست انتخابات پر اثر انداز کیوں نہ ہوں گے؟

۱۹۶۵ء میں امریکہ نے ہماری پیٹھ میں خنجر گھونپا تھا مگر آج اسی امریکہ کے سفید ہاتھی ہمارے ملک میں کچھ اس طرح گھوم پھر رہے ہیں جیسے یہ بھی اپنے یہاں کے کوئی "انتخابی سیاسی لیڈر" ہوں۔ ہم نے ماہ دسمبر ۶۹ء کے شمارے میں پاکستان کے اندر سرگرم عمل امریکی جاسوسوں کی طویل فہرست شائع کی تھی۔ اس میں بھی موصوف کا نام نامی شامل ہے۔ اگر ہماری یہ باتیں غلط ہیں تو ثبوت کے ساتھ تردید کی جائے ورنہ اس امر کا اندازہ لگا لیا جائے کہ ان حالات میں ملکی انتخابات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ امریکی قانون پی ایل ۴۸۰ کے تحت پاکستان میں محفوظ "امریکی خزانہ" بالکل اسی طرح اندرون ملک انتخابی سرگرمیوں پر استعمال کیا جائے گا جس طرح بھارت اور دوسرے ممالک کے انتخابات میں استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس یقینی امکان کا اس ضابطے میں کوئی مؤثر تدارک نہیں کیا گیا۔

ملک کے تقریباً تمام چھوٹے بڑے اخبارات بڑے بڑے جاگیرداروں، بڑے بڑے سرمایہ داروں اور پریس ٹرسٹ کے بڑے بڑے افسروں کے زیر اختیار ہیں۔ نشر و اشاعت کے تمام ذریعے حکومت کے زیر اثر ہیں، ان حالات میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ جاگیرداری، اجارہ دار سرمایہ داری اور نوکر شاہی کے مخالف عوامی حلقوں کی سرگرمیاں، اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں نمایاں اور جلی سرخیاں حاصل کر لیں؟ دن دہاڑے ہونے والی اس ناانصافی کے متعلق مروجہ ضابطے میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

گنتی کے چند رسالے یقیناً کچھ ان اداروں یا لوگوں کے پاس ہیں جو عوامی جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے رہے ہیں مگر اس ضمن میں بھی اگر ہم خود منشور کی مثال پیش کریں تو نامناسب نہ ہوگا کہ اب منشور کو بھی پی آئی اے کے اشتہار سے محروم کر دیا گیا ہے۔ کیوں؟ اس سوال کا جواب ہم سے زیادہ اچھی طرح آپ خود جانتے ہیں۔ ان دھاندلیوں کے سلسلے میں بھی مذکورہ ضابطے میں کوئی بندش تجویز نہیں کی گئی ہے۔

مائیکروفون، ٹرک، شامیانے، دریاں، بسیں، لانچیں، لائیٹ اور انتخابی کارکنوں کے اخراجات، انتخابات کے لازمی اور اولیں اخراجات ہیں۔ جب عوامی کارکن زرداروں سے اس مقابلے میں نہیں جیت سکتے تو بھلا انتخابات میں کیا جیتیں گے؟ ضابطۂ ہذا اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے۔

کسان اور مزدور، اپنے دیس کی واضح اکثریت ہیں مگر یہ اکثریت، ابھی انتخابات میں صحیح طریقے سے اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ سب کے سب اپنے پیٹ کی بھوک اور اپنی دوسری ابتدائی ضروریات زندگی پوری کرنے کے چکر میں صبح سویرے گھر سے نکل کر رات گئے گھر میں داخل ہوتے ہیں اور اپنے چھوٹے بچوں کی تتلائی زبان سے بھی لطف اندوز نہیں ہو پاتے۔ انتخابات کی اس گہما گہمی میں حصہ لینے کیلئے فرصت کہاں سے لائیں گے؟ سیاسی سرگرمیاں جاری رکھنے کا یہ ضابطہ اس کے بارے میں بھی خاموش ہے۔

عام طالب علم، جو اس ملک کے نسبتاً خوشحال باشندوں کی اولاد ہیں اور پڑھے لکھے ہونے کی وجہ سے سیاسی مسائل کے بارے میں حساس ہیں۔ ایوب خان کی آمریت کے فولادی قلعے پر پہلا پتھر پھینکنے کے اعزاز کے مالک ہیں۔ اکیس سال سے کم ہونے کی وجہ سے، انتخابات میں رائے دینے کے حق سے محروم ہیں، حالانکہ یہی طالب علم وطن کے تحفظ کی ذمہ داری سنبھالنے کے اہل ہونے کی وجہ سے فوج میں ملازم ہو سکتے ہیں مگر وطن تعمیر کرنے کی ذمہ داری سے محروم کر دئے گئے ہیں۔ یہ کیا بھید ہے؟ موجودہ ضابطہ یہ بھید کھولنے سے بھی قاصر ہے۔

عوام کے وہ سپوت جو ملک میں تعلیمی ادارے۔ اور ماں باپ کے پاس تعلیمی اخراجات نہ ہونے کی وجہ سے برسر روزگار ہو جاتے ہیں اور وہ بھی جو بیروزگار ہی رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ عملی زندگی کی حقیقتوں سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔ مگر یہ لوگ بھی جو نئی نسل کی ایک واضح اکثریت ہیں، اگر اکیس

سال سے کم عمر کے ہیں تو ووٹ دینے کے حق سے محروم ہیں، حالانکہ ان کی رائے انتخابی نتائج پر انتہائی زبردست اثر ڈالے گی اور ظاہر ہے کہ انھیں لوگوں کے خلاف ہوگی جن کی برخود غلط حکمت عملیوں کا یہ لوگ شکار بنے ہیں۔ پھر انھیں ووٹ کا حق کیوں نہیں دیا جا رہا ہے؟ زیر بحث ضابطہ اس کا جواب بھی نہیں دیتا۔

پچھلے تمام عرصے میں مشرقی پاکستان کے عوام کے ساتھ ناقابل بیان زیادتیاں ہوئی ہیں۔ اسی طرح مغربی پاکستان میں بھی چھوٹی قومیتوں کے عوام لیڈروں کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہیں، یہ مسئلہ انتہائی شدید مسئلہ ہے اور یہ اتنا ہی اہم مسئلہ ہے جتناکہ آمریت کو ہٹا کر بالغ رائے دہندگی کا حق حاصل کرنیکا مسئلہ ہے لیکن اس کے باوجود — صوبائی خود مختاری — کا یہ مسئلہ ہنوز حل طلب ہے۔ حالانکہ اس کو حل کر کے ملک دشمن علاقہ پرستوں کے ان فتنہ پرور عزائم کو ناکام کیا جا سکتا ہے جو اس سوکھے بارود میں آگ لگانے کی تاک میں ہیں۔ پھر یہ مطالبہ ابھی تک مطالبہ ہی کیوں ہے؟ زیر نظر ضابطہ اس موضوع کا جواب نہیں دیتا ہے۔

سب اس سے متفق ہیں کہ نظریاتی اور سیاسی اختلافات کا برملا اظہار انتخابی مہم کی جان ہے۔ ہر سیاسی جماعت کو انتخابی مہم کے دوران اپنا اپنا انتخابی پروگرام پیش کرنے کی آزادی ہونی چاہئے۔ لیکن جماعت اسلامی اور اس کی چمچہ تنظیموں اور شخصیتوں نے اس آزادی کا مطلب یہ نکال لیا ہے کہ وہ اپنے مخالفوں کو کافر کہنے کا حق حاصل کر لیں۔ گویا کہ وہ بزعم خود مذہب اسلام کی ٹھیکیدار بن بیٹھی ہیں۔

ہماری اس سلسلے میں یہ رائے ہے کہ اگر حکومت جماعت اسلامی کے اس مؤقف سے متفق ہے تو اسے پھر اپنی پہلی فرصت میں اس کے اس الزام کو تسلیم کرتے ہوئے باقی تمام جماعتوں، تنظیموں اور شخصیتوں پر انتخابات میں حصہ نہ لینے کی پابندی عائد کر دینی چاہئے کہ جب ضابطہ نمبر ۰۶ کی خلاف ورزی کرنے والا انتخاب میں حصہ نہیں لے سکتا تو پھر کافر کو انتخاب میں حصہ لینے کا کیا حق ہے؟ اور اگر حکومت جماعت اسلامی کے اس مؤقف سے متفق نہیں ہے تو پھر اسے جماعت اسلامی اور اس کی چمچہ تنظیموں اور شخصیتوں کو دیکھتے ہوئے فوری طور پر یہ پابندی عائد کر دینی چاہئے کہ وہ اپنی مخالف جماعتوں اور شخصیتوں پر کافر ہونے کا الزام نہیں لگا سکتیں بات بالکل صاف اور کھری ہے۔ حکومت ہر معاملے میں غیر جانبدار رہنے کا دعویٰ کر سکتی ہے مگر اس نازک اور حساس موضوع پر اس کی "موجودہ خاموشی اور غیر جانبداری" مضحکہ خیز بلکہ معنی خیز ہے۔ یا تو ادھر جاؤ یا ادھر۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے کہ — حکومت نے عوامی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے ۵۶ء کا دستور ٹھکرا دیا۔ حالانکہ جماعت اسلامی اور اس کی چمچہ تنظیموں اور شخصیتوں نے یہ تک کہہ دیا تھا کہ اگر ۱۹۵۶ء کا دستور نافذ نہیں ہوا تو قوم، پاکستان اور تو اور خود اسلام خطرے میں پڑ جائے گا۔ لیکن حکومت اور عوام سب نے دیکھا کہ ۵۶ء کے دستور کو ٹھکرانے سے کوئی قیامت نہیں آئی۔ اسی طرح ہمارا یہ مؤقف ہے کہ حکومت اس موضوع پر بھی اپنی خاموشی ختم کرے۔ یہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ جماعت اسلامی جس کی کتابوں میں کھلم کھلا قائد اعظمؒ، پاکستان اور پاکستان کے عوام کی توہین کی گئی ہے، اور اس جماعت کا وہ امیر جو آج تک قائد اعظم کے مزار پر حاضری دینے نہ آیا ہو، وہ اپنے جلسوں اور تحریروں میں اپنے مخالفوں کو کافر قرار دیتے پھریں اور ملک میں سیاسی سرگرمیاں جاری رکھنے کے ضابطے پر منفی انداز میں عملدرآمد بھی ہوتا رہے۔

نہ صرف یہ بلکہ اب تو یہ بھی دیکھنے میں آرہا ہے کہ جماعت کے کارکن اپنے ایک ہاتھ میں قرآن شریف لیتے ہیں اور دوسرے ہاتھ میں اقوال ماؤزے تنگ اور پھر لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ تم ان دونوں میں سے کیا منتخب کرتے ہو؟ اور پھر اپنے آپ کو قرآن شریف کا نمائندہ بنا کر اپنے مخالف کو قرآن شریف کا مخالف قرار دیتے ہیں یہ صریحاً اشتعال انگیزی ہے پہلی بات تو یہ کہ ہماری الہامی کتاب کا کسی بھی دوسری کتاب سے مقابلہ ہی کیوں؟ دوسری بات یہ کہ آخر کس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن شریف سے اعلیٰ یا اس کے مقابلے کی کوئی دوسری کتاب ہے؟ تیسری بات یہ کہ صرف جماعت کے کارکن ہی تو قرآن شریف کو نہیں مانتے بلکہ تمام ہی مسلمان قرآن شریف کو مانتے ہیں تو پھر صرف وہی قرآن شریف کے نمائندے کیونکر بن گئے؟ چوتھی بات یہ کہ اس طرح کی غلط تخصیص و امتیاز کے ذریعے ہمارے دائمی دوست، عوامی جمہوریہ چین کے خلاف ایک انتہائی زہریلا اور متعصبانہ پروپیگنڈہ کرنے کی آزادی کیوں؟ ان تمام موضوعات پر یہ ضابطہ ہماری کوئی رہنمائی نہیں کرتا۔

کیا جماعت اسلامی کی مخالف جماعتوں کے رہنماؤں کے جلسوں میں شرکت کرنیوالے لاکھوں پاکستانی کافر ہیں ظاہر ہے کہ نہیں، تو پھر یہ لاکھوں عوام جماعت اسلامی کی طرف سے ہونے والی پرلے درجے کی اشتعال انگیزیاں کب تک اور کیوں کر برداشت کرتے رہیں گے؟ ضابطہ نمبر ۰۶ ان سوالوں کا جواب نہیں دیتا۔

ہمارا آخر میں پھر یہی کہنا ہے کہ وقت کی نزاکت کو سمجھا اور سمجھایا جائے۔ بائیس سال میں جو مسائل انتہائی پیچیدگی اختیار کر چکے ہیں ان کو اگر حل نہیں کیا جا سکتا تو انتخابات سے پہلے کم از کم ان کی پیچیدگیوں کو تو دور کر دیا جائے۔

ضابطہ نمبر ۰۶، سیاسی اطمینان و سکون کو کترنے والے سیاسی چوہوں کو اپنے سیاسی چوہے دان میں یقینی طور پر بند کرے مگر اس کا بھی تو ذرا دھیان رکھا جائے کہ سیدھا سادا چوہا خونخوار بلی کے خوف سے مارا مارا پھر رہا ہے کیا اس کو بھی اسی چوہے دان میں بند کر دیا جائے گا اگر ایسا ہی ہے تو سیاسی اطمینان اور سکون کو نقصان پہنچانے والی بلیوں، کتوں اور بھیڑیوں کا آخر کیا ہوگا؟ ان کے لئے تو یہ چوہے دان بہت ہی چھوٹا ہے، اور رجحان اغلب ہے کہ سیاسی چوہوں کی طرف سے تو صرف سیاسی اطمینان و سکون کو کترنے کا ہی خطرہ تھا مگر سیاسی بلیوں، سیاسی کتوں اور سیاسی بھیڑیوں کیجانب سے تو سارے سیاسی سکون و اطمینان کے تباہ و برباد ہو جانے اور خود انتخابات کے انعقاد اور انتخابات کے بنیادی مقاصد یعنی، جمہوریت کے آغاز کو بھی ناقابل تصور خطرات لاحق ہیں۔

ضروری اعلان

منشور کا پتہ تبدیل ہوگیا ہے۔ نیا پتہ یہ ہے۔

دفتر ماہنامہ منشور کے۔۱۸ جوہر کالونی

نزد بسم اللہ ہوٹل منگھو پیر روڈ کراچی ۱۶

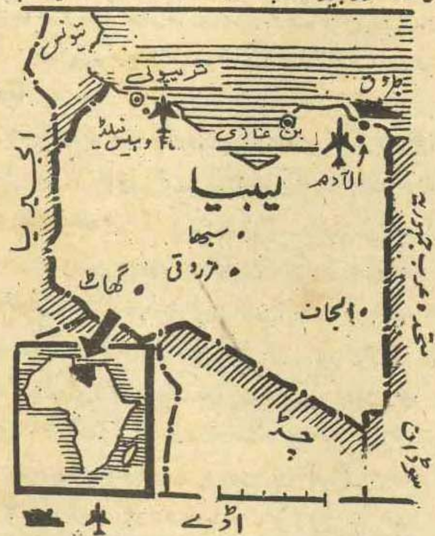
خط و کتابت اور چندہ کی رقوم اسی پتہ پر بھیجیے

(ادارہ)



لیبیا میں سامراجی فوجی اڈوں کا خاتمہ

گزشتہ سال ستمبر میں لیبیا میں بادشاہت کے خاتمے کے بعد ہی سے عوام اور نئی حکومت کی طرف سے غیر ملکی فوجی اڈوں کے خاتمے کی جدوجہد شروع کردی گئی تھی ۱۹۵۳ء میں حکومت برطانیہ اور لیبیا کی شاہی حکومت کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جس کے تحت برطانیہ نے طبروق اور دانہ میں فوجی اڈے قائم کئے تھے، العدم اور دیگر دو مقامات پر ہوائی اڈے بنائے اور برقہ اور طرابلس میں فوجی بیرکیں تعمیر کی تھیں تاکہ مشرق وسطیٰ میں برطانوی فوجی پالیسیوں کو عملی جامہ پہنایا جاسکے العدم کا ہوائی اڈہ مشرق بعید کے لئے برطانوی فضائی مواصلاتی نظام کی ریڑھ کی ہڈی تھا۔



۸ر دسمبر ۱۹۶۹ء کو طرابلس میں لیبیا کی نئی حکومت اور برطانوی حکومت کے درمیان مذاکرات شروع ہوئے جن کے نتیجے میں ۱۳ر دسمبر ۶۹ء کو برطانوی حکومت کو اس بات پر مجبور ہونا پڑا کہ وہ لیبیا میں اپنے فوجی اڈے ختم کردے۔ یہ طے پایا کہ برطانیہ ۱۴ر دسمبر سے اپنی فوجیں اور جنگی ساز و سامان ہٹانا شروع کرے گا اور مارچ ۱۹۷۰ء کے آخر تک مکمل طور پر لیبیا خالی کردے گا۔ مذاکرات کے دوران لیبیا کی انقلابی کمانڈ کونسل کے چیئرمین مسلح افواج کے کمانڈر انچیف معمر القذافی نے کہا کہ "لیبیا کی آزادی اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک ایک بھی غیر ملکی فوجی اس کی سرزمین پر موجود ہے"

برطانوی حکومت سے اس معاہدہ کے فوراً بعد ہی ۱۴ر دسمبر ۶۹ء لیبیا کے عوام نے طرابلس میں زبردست مظاہرہ کیا اور مطالبہ کیا کہ امریکی سامراج بھی دارالحکومت کے قریب واقع اپنے "وہیلس" کے فوجی اڈے کو ختم کرے۔ عوامی دباؤ کے تحت امریکی حکومت کو بھی مذاکرات پر مجبور ہونا پڑا۔ ۱۵ر دسمبر کو طرابلس میں میونسپل ہال میں امریکی اور لیبین وفود مذاکرات کر رہے تھے، ہال کے باہر دس ہزار افراد مظاہرے میں مصروف تھے، اجلاس میں اپنی تقریر کے دوران معمر القذافی نے امریکی سامراج کی بھرپور مذمت کی اور امریکی حکومت پر الزام لگایا تھا کہ "وہیلس کے ہوائی اڈے کو عرب ممالک پر حملہ کرنے کے لئے اسرائیلی افواج کو تربیت دینے کے لئے استعمال کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہیلس کا ہوائی اڈہ امریکہ کے باہر سب سے بڑا امریکی اڈہ ہے جس میں ۴۸۲۰ امریکی فوجی اور ۴۱۴ سول افسران مع اپنے خاندانوں کے موجود ہیں۔ اس اڈے کی تنصیبات اور تعمیرات کی کل لاگت دس کروڑ ڈالر بتائی جاتی ہے۔ اور یہ اڈہ بحیرہ روم کے بحری راستوں کے مقام اتصال پر واقع ہونے کی بنا پر زبردست فوجی اہمیت کا حامل ہے۔ کہا جاتا ہے گذشتہ عرب اسرائیل جنگ کے دوران متحدہ عرب جمہوریہ پر تباہ کن فضائی حملوں کے لئے اسرائیل نے یہی اڈہ استعمال کیا تھا۔ بادشاہت کے خاتمے کے بعد ۲۳ر ستمبر ۶۹ء کو ایک اور واقع نے بھی لیبین عوام کے دلوں میں امریکی سامراج کے خلاف غیض و غضب کی آگ بھڑکادی تھی جبکہ ایک امریکی طیارے نے وہیلس کے اڈے سے لیبین حکام کی اجازت کے بغیر پرواز کی تھی یہ طیارہ مالٹا میں اترا جہاں اس بات کا انکشاف ہوا کہ اس طیارے میں لیبیا کے ایک "غیر شناخت شدہ" شخص کو لکڑی کے صندوق میں بند کرکے "اسمگل" کیا گیا تھا۔ اس کے چند ہی روز بعد اس اڈے کے دروازے پر ایک لاری پکڑی گئی جس میں رائفلیں، ریوالور اور دوربینیں لدی ہوئی تھیں۔ ان واقعات کے بعد لیبین حکام نے دو فوجی کمیٹیاں قائم کردی تھیں تاکہ ہوائی اڈے سے جانے اور آنے والے تمام طیاروں اور گاڑیوں کی جانچ پڑتال ہو سکے۔

امریکی سامراجی دماغ آج کل وہیلس کے اڈے کا نعم البدل تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ ان کی نظریں اب قبرص، جبرالٹر اور کریٹ پر لگی ہوئی ہیں۔ بہر حال مشرق وسطیٰ میں اب امریکی سامراج کے لئے جگہ تنگ ہو چکی ہے۔

امریکی فوجی ویتنام کی جارحانہ جنگ سے نفرت کرتے ہیں

امریکی عوام اور مسلح افواج میں ویت نام کی جارحانہ جنگ کے خلاف دن بدن زیادہ نفرت پیدا ہوتی جارہی ہے، عوامی مظاہروں کے ساتھ ساتھ مسلح فوج کے جوانوں نے بھی اس جنگ کے خلاف مظاہرے شروع کردیئے ہیں اور یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ وہ اس وحشیانہ اور انسانیت دشمن جنگ کا ایندھن بننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس صورت حال سے امریکی سامراجی حکمران ٹولہ بری طرح بوکھلایا ہوا ہے اور افواج میں باغیانہ قیادت اور اقدامات کو کچلنے کے لئے متشددانہ کارروائیاں کر رہا ہے اس کے باوجود امریکی افواج میں خفیہ تنظیمیں قائم ہو رہی ہیں جو جنگ ویتنام کے خلاف خفیہ اخبارات جاری کرتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۶۶ء کے بعد سے اب تک امریکہ، ویتنام اور بعض دوسرے مقامات سے نکلنے والے ان خفیہ فوجی اخبارات کی تعداد اس وقت ۴۰ سے زیادہ ہو چکی ہے گزشتہ سال اگست میں امریکی فوج کے دستے "ہوائی" کے امریکی اڈے کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ انہوں نے جنگ ویتنام اور رجعت پسند فوجی حکام کے مظالم کے خلاف احتجاجی طور پر یہ قدم اٹھایا تھا۔ اور ایک مقامی آبادی اور دیگر فوجی جوانوں کے ساتھ مل کر ایک ماہ تک جدوجہد جاری رکھی تھی۔ اسی طرح گذشتہ جون میں پچاس سے زائد امریکی فوجیوں نے مغربی جرمنی کے اڈے "کیسر سلاٹرن" میں انہی وجوہات پر مظاہرہ کیا۔ ۲۰ر نومبر کو قریباً دو سو فوجیوں نے جنگ ویتنام کے خلاف ایک اخباری بیان پر دستخط کئے۔

ویت نام کے محاذ پر لڑنے والی امریکی فوج کی جانب سے بھی جنگ کے خلاف جذبات کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ "مفرور" اور بغیر اجازت چھٹی پر جانے والے فوجیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے ایسے فوجیوں کی اوسط تعداد ۵۰۰ روزانہ سے زائد ہے۔ ۳۰ر جون ۶۹ء کو ختم ہونے والے سال کے دوران "مفرور" فوجیوں کی تعداد ۵۶،۶۰۰ اور بغیر اجازت چھٹی پر جانے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ تھی۔ یہ تعداد جنگ ویتنام میں مصروف کل امریکی فوج کا دسواں حصہ ہے۔ "فرار" ہونے والے فوجیوں کی تعداد گذشتہ تین سال کے عرصہ میں دگنی ہو چکی ہے جبکہ بغیر اجازت چھٹی پر جانے والوں کی تعداد صرف دو سال میں دگنی ہوئی ہے۔

امریکی عوام اور مسلح افواج کو اب اس بات کا پوری طرح احساس ہوگیا کہ قوت کا اصل سرچشمہ عوام ہیں انہوں نے اس بات کا تہیہ کرلیا ہے کہ جنگ ویتنام کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ اور ویتنام کی اس ظالمانہ جنگ کو ختم کرواکے دم لیں گے جو امریکی سامراجی حکمران ٹولے اور امریکی اجارہ دار سرمایہ داروں کے گھناؤنے مقاصد کی خاطر لڑی جارہی ہے۔

آج کا انڈونیشیا — جرنیلوں کی جنّت

۱۹۶۵ء میں انڈونیشیا کے فرزندِ جلیل سوئیکارنو کو اقتدار سے ہٹانے کے بعد امریکی سامراج نواز سوہارتو نے فوجی حکومت قائم کی تھی۔ اس تبدیلی کی قیمت میں کم وبیش چار لاکھ انڈونیشی عوام کے لہو سے سرزمین انڈونیشیا کو نہلایا گیا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک رفتہ رفتہ انڈونیشیا کو پوری طرح ایک امریکی نوآبادی میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ بارہ کروڑ مسلمانوں کی اس عظیم مملکت میں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر امریکی سامراج کے پٹھو عیسائی افسروں کو تعینات کر دیا گیا ہے باقی اعلیٰ عہدوں پر فوجی جرنل، کرنل اور میجر فائز ہیں پارلیمنٹ فوج کے انگوٹھے کے نیچے کام کرتی ہے۔ بڑے بڑے کارخانوں کے سربراہ فوجی افسران ہیں۔ سرکاری تیل کی کمپنی پرٹومانیا کے سربراہ ایک لفٹیننٹ جنرل ابنوسوتو وہ ہیں۔ موصوف کی اصل تنخواہ ایک سو ڈالر سے بھی کم ہے۔ لیکن انہوں نے حال ہی میں اپنی صاحبزادی کی شادی پر ساٹھ ہزار ڈالر کی کثیر رقم صرف کی۔ اس کے علاوہ جکارتہ کا جدید ترین ہوٹل کارتیکا پلازا (KARTIKA PLAZA) فوجی امداد باہمی کی ملکیت ہے جکارتہ کے فوجی گورنر نے شہر میں متعدد جوئے خانے قائم کر رکھے ہیں جن کی آمدنی قانونی سمجھی جاتی ہے حد تو یہ ہے کہ جکارتہ کے قریب ایک فوجی یونٹ اپنے مہینہ بھر کے پٹرول کے راشن میں سے بچا ہوا پٹرول کھلے بازار میں فروخت کرواتا ہے۔ شمالی سماٹرا میں فوجی حکام غیر قانونی طور پر برآمدی لائسنس فروخت کرتے ہیں اور لائسنس دینے کے عوض بھاری رقمیں وصول کرتے ہیں فوج نے ملک کے انتظامی اور تکنیکی عہدوں پر پوری اجارہ داری قائم کی ہوئی ہے ان حالات میں ۱۹۷۱ء میں عام انتخابات ہو رہے ہیں۔ ایک انڈونیشی مبصّر کا کہنا ہے کہ جنرل الیکشن کا مطلب، جنرلوں کا الکشن ہوگا۔ یہ ہے آج کا انڈونیشیا — یہ ہے سوکارنو کے بعد کا انڈونیشیا۔ اور آج سرزمین پاکستان میں رجعت پرست رہنما کھلم کھلا کہہ رہے ہیں کہ وہ اس ملک کو انڈونیشیا بنادیں گے۔ کیا پاکستانی عوام ایسا ہونے دیں گے؟ یہ آج کا اہم ترین سوال ہے۔

رجعت پرست ملائیشی حکومت عوامی طوفان کی زد میں

ملائیشیا میں عوامی بیداری کی لہر دوڑنا شروع ہوگئی ہے۔ سامراج نواز رجعت پرست ملائشی حکمراں جس نے ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں کھل کر بھارت کی حمایت اور پاکستان کی مخالفت کی تھی آج کل سخت بحران میں ہے۔ ملائیشیا کی شمالی سرحدوں پر عوامی دستوں نے ملائی عوام سپاہ آزادی کے پرچم تلے مسلح جدوجہد شروع کردی ہے اندازہ ہے کہ ان دستوں میں کم ازکم ایک ہزار باقاعدہ تربیت یافتہ گوریلا جانباز شامل ہیں انہوں نے اپنی حالیہ جدوجہد کے دوران مسلسل چار دن تک سرحدی شاہراہ کے ایک حصہ پر قبضہ رکھا اور ملائشی حکومت کے خلاف بہتر آوپریشن کئے انہوں نے اولیشن کے خالی ڈبوں سے بنائی ہوئی زمینی سرنگیں استعمال کیں بارہا ملائشی فوج اور پولیس کے دستوں کو اپنے اچانک حملوں سے بوکھلا دیا اور ان سے اسلحہ چھین کر جنگلوں میں روپوش ہوگئے۔ ۔ ۔ ۔ عوامی آزادی کے گوریلا دستوں کو ملائشی عوام کا پورا تعاون حاصل رہتا ہے۔ وہ اپنی ضروریات کے لئے کھانے پینے کا سامان، کپڑے اور دیگر اشیاء شہری آبادی سے حاصل کرتے ہیں، شہری اور دیہی عوام انہیں ملائشی فوجی دستوں کی نقل وحرکت اور تعداد سے باخبر کرتے رہتے ہیں۔ ملائشیا میں مسلح عوامی جدوجہد کا حلقہ دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے ملائشی حکومت زیادہ عرصہ تک اس عوامی طوفان پر امریکی سنگینوں کے بل بوتے پر بھی قابو نہ رکھ سکے گی اور مشرق بعید میں امریکی سامراج کا یہ قلعہ بھی ملائشی عوام فتح کرکے رہیں گے۔

امریکی نائب صدر مشرق بعید کے دورے پر

مشرق بعید کے متعدد ملکوں میں صورتحال دن بدن امریکی سامراج کے خلاف ہوتی جارہی ہے۔ اس صورتحال کا سامنا کرنے کے لئے امریکی نائب صدر اسپیرو ٹی اگینیو (SPIROT. AGNEW) مشرق بعید کے دورے پر روانہ ہوئے ہیں تاکہ امریکی ڈالروں اور چاولوں کے ذخیروں کا لالچ دے کر بعض حکمرانوں کی رائے اپنے حق میں ہموار کرسکیں۔ اس پرانے حربے کے باوجود ان ملکوں میں رائے عامہ امریکی سامراج کے خلاف ہے۔ اس کا اظہار نائب صدر اگینیو کے دوروں کے دوران مخالفانہ عوامی مظاہروں کی شکل میں سامنے آیا۔ نیپال کے دارالحکومت کھٹمنڈو میں نائب صدر اگینیو کی آمد پر زبردست عوامی مظاہرہ ہوا جناب اگینیو کی اگلی منزل کابل تھی۔ افغانستان کے دارالحکومت کابل میں موصوف کی آمد پر امریکی پرچم نذرِ آتش کئے گئے اور جب امریکی نائب صدر کی موٹروں کا قافلہ راستوں سے گذرا تو عوام نے ان کی کار پر کوڑا کرکٹ پھینکا۔ ملائشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں نائب صدر موصوف کے خلاف عوامی مظاہروں کو دبانے کے لئے چپہ چپہ پر مسلح پولیس اور فوج تعینات کی گئی۔

فرانس — جنگی کشتیوں کی چوری

امریکی سامراج کی مدد سے سرزمین عرب کے ایک حصہ پر غاصبانہ قبضہ کرنے والے اسرائیلی ڈاکوؤں نے ایک اور بڑا بین الاقوامی ڈاکہ ڈالا ہے۔ فرانسیسی بندرگاہ شربرگ سے پانچ فرانسیسی جنگی کشتیاں ایک سازشی منصوبے کے ذریعہ چرا کر اسرائیل کی مقبوضہ بندرگاہ حیفہ پہنچادی گئی ہیں۔

اس ڈاکے کی کہانی یوں ہے کہ ۱۹۶۵ء میں جب اسرائیلی حکومت عرب ممالک پر جارحانہ حملے کی تیاریاں کر رہی تھی! سوقت اس نے فرانس کو بارہ جنگی کشتیوں کی خریداری کا آرڈر دیا تھا۔ ان میں سے پانچ کشتیاں اسرائیل کو دی جاچکی تھیں جس کے بعد ۳ر جنوری ۱۹۶۹ء کو فرانس نے اسرائیل کو کسی بھی قسم کا اسلحہ دینے پر پابندی لگادی۔ اس پابندی کی اگلی ہی رات کو دو کشتیاں آزمائشی سفر پر روانہ ہوئیں لیکن واپس نہ لوٹیں۔ پابندی لگ جانے کے باوجود کشتیاں بنانے والی کمپنی باقی پانچ کشتیاں تعمیر کرتی رہی۔ آخری کشتی ۱۶ر دسمبر ۱۹۶۹ء کو سمندر میں اتاری گئی۔ یہ کشتیاں ناروے کی ایک کمپنی "اسٹاربوٹ اینڈ ویل" کے ہاتھ فروخت کی گئیں۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ کشتیاں تیل کی تلاش کے لئے استعمال کی جائیں گی۔ فروخت کی تکمیل کیلئے متعلقہ فریقوں نے پیرس کے جنرل کسٹمز ایڈمنسٹریشن اور وزارت قومی دفاع سے اجازت حاصل کرلی تھی جب یہ کہانی کسی نہ کسی طرح اخبارات میں آئی تو حقیقت کھلی کہ ناروے میں مذکورہ کمپنی کا کوئی وجود نہیں۔ البتہ اس کمپنی کا "نمائندہ" ایک بڑی جہاز ساز کمپنی کے ڈائرکٹر کی صورت میں موجود ہے جس کا اسرائیل سے گہرا رابطہ ہے۔ خود اسٹاربوٹ کمپنی پانامہ میں رجسٹرڈ ہے۔ شربورگ کے واقعہ سے صرف چھ ہفتے پہلے یہ تمام باتیں منظر عام پر آئیں۔ کشتیوں کی چوری کے وقت ان پر ناروے کے پرچم لہرا دیئے گئے تھے۔ روانگی کا وقت خوب سوچ سمجھ کر کرسمس کے موقع پر رکھا گیا تھا۔ جب چوری کا راز کھلا تو فرانس میں مقیم اسرائیلی سفارتخانے نے اعلان کیا کہ یہ کشتیاں اسرائیل کی ملکیت نہیں ہیں لیکن صرف تین ہی دن بعد ان کشتیوں کو اسرائیلی بحری بیڑے میں شامل کرلیا گیا اس واقعہ کے بعد فرانسیسی وزارت قومی دفاع جنرل سکریٹری جنرل کیزل اور اسلحہ برآمدی کمیشن کے سربراہ لوئی بوتے کو معطل کردیا گیا اور اسرائیلی سفیر ایڈمرل لیمون سمیت متعدد اسرائیلی سفارتی افسروں کو ناپسندیدہ افراد قرار دے کر فرانس سے نکال دیا گیا۔ حکومت فرانس نے ایک بار پھر اعلان کیا کہ اس واقعے سے اس کی مشرق وسطیٰ کی پالیسی بالخصوص اسلحہ کی ترسیل پر پابندی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اسرائیل کے ڈکیتی اور چوری کے کردار سے متعلق ماضی کے چند واقعات بھی دہرا دیئے جائیں ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے دوران اسرائیل نے برطانیہ میں ایک فرضی فلم کمپنی قائم کی اور بہانہ کیا کہ وہ دوسری عالمی جنگ میں نیوزی لینڈ کی فضائیہ کے کردار پر فلم تیار کر رہے ہیں۔ فلم تیار کرنے کے بہانے سے اس نے چار برسٹل بیوفورٹ طیارے اور ایک چھوٹا جہاز خریدا اور یہ وعدہ کیا کہ یہ جہاز ملک سے باہر نہیں جائیں گے۔ ایک روز یہ جہاز کچھ جنگی مناظر

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

ریفرنڈم کا ڈھول کا پول

یہ لیجئے۔ ریفرنڈم کا ڈھول کا پول حاضر ہے۔
گزشتہ کافی عرصے سے پی آئی اے میں عجیب و غریب ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا شروع شروع میں تو یہ ڈرامہ اس قدر خوبصورتی سے کھیلا گیا کہ اکثر اوقات بالکل حقیقت معلوم ہوا۔ تاثر اس غضب کا کہ دیکھنے والے واقعی رونے پر مجبور ہو جائیں لیکن رفتہ رفتہ اس کے ہدایت کاروں نے ایسی بے صبری دکھائی، اور اس کے کرداروں نے اس طرح اوور ایکٹنگ شروع کر دی کہ اصلیت ظاہر ہو گئی، اصل چہرے سامنے آ گئے اور یہ ڈرامہ نہ صرف ڈرامہ معلوم ہوا بلکہ ایک انتہائی گہری سازش کی شکل میں کھلا ایک ایسی سازش جس کے تانے بانے پی آئی اے سے باہر ہی نہیں بلکہ اصل سرا تو ملک کے باہر بندھا ہوا نظر آیا۔

اس سلسلے میں حکومت کے رجعت پسند عناصر، پی آئی اے انتظامیہ اور بدنام زمانہ سیاسی ٹولہ جماعت اسلامی کا سازشی گٹھ جوڑ جس طرح بے نقاب ہوا ہے وہ مزدور تحریک میں کام کرنیوالے کارکنوں کیلئے ایک بیش بہا تجربہ سے کم نہیں ہے۔ بعد میں یہ بھی کھلا کہ یہ سازشی گٹھ جوڑ صرف پی آئی اے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ دوسری بہت سی صنعتوں، تعلیمی اداروں یہاں تک کہ ملکی سیاست میں بھی جاری و ساری ہے حکومت اور رجعت پرست سیاسی جماعتوں کے اس سازشی گٹھ جوڑ میں ملک کے بیشتر اخبارات بھی پوری طرح امداد کر کے پی ایل ۴۸۰ کے ذریعے آنیوالی رقم میں اپنا حصہ لگا رہے ہیں۔

آیئے ذرا پی آئی اے میں اس سازشی گٹھ جوڑ کا آپریشن کر کے دیکھیں۔
گزشتہ شمارے میں قارئین منشور کے علم میں یہ بات لائی جا چکی ہے کہ پی آئی اے کی تمام صنعت میں ریفرنڈم کرانیکے بجائے صرف مغربی پاکستان میں ریفرنڈم کا ڈھونگ رچا کر حکومت نے خود اپنے بنائے ہوئے قانون کی کھلی خلاف ورزی کی ہے اور جس کو ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ نے ہائی کورٹ میں چیلنج کیا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں قارئین کی مزید معلومات کے لئے انڈسٹریل ریلیشنز آرڈی ننس کی متعلقہ دفعات پیش کی جا رہی ہیں۔

آرڈی ننس کی دفعہ ۲ کی ذیلی دفعہ ۷ میں اجتماعی سودا کاری ایجنٹ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:۔

"ایک اسٹیبلشمنٹ یا صنعت کے سلسلے میں اجتماعی سوداکاری ایجنٹ سے مراد مزدوروں کی وہ یونین ہے جو کہ دفعہ ۲۲ کے تحت اجتماعی سوداکاری کے معاملات میں ایک اسٹیبلشمنٹ یا صنعت (جو بھی صورت ہو) میں مزدوروں کی نمائندہ ہو۔
آرڈی ننس کی دفعہ ۲۲ کی ذیلی دفعہ (۲) اس طرح ہے

(2) In case there are more than one registered trade union in an establsshment or more than one federation in a whole industry, the Registrar shall, within one month from the date of receipt of a written request in that behalf, hold a secret ballot to determine the representation of each registered trade union in the establishment or industrial unit concerned, or each federation within the whole industry in the Province concerned.

"اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی ادارے میں ایک سے زیادہ رجسٹرڈ ٹریڈ یونین ہوں تو رجسٹرار اس سلسلے میں تحریری درخواست ملنے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر اندر متعلقہ اسٹیبلشمنٹ یا صنعتی یونٹ میں ہر رجسٹرڈ ٹریڈ یونین کی نمائندگی طے کرنیکے لئے خفیہ بیلٹ کرائے گا۔

آپ نے دیکھا کہ ٹریڈ یونین کے لئے صوبوں کی بنیاد پر نمائندگی طے کرنے کیلئے نہیں کہا گیا ہے بلکہ پورے ادارے میں کہا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود پی آئی اے کے مزدوروں کو ٹکڑیوں میں تقسیم کرنے کے مکروہ مقاصد کو پورا کرنیکے لئے اپنے ہی بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کی گئی ہے
اب ذرا ریفرنڈم میں اپنی رائے کا اظہار کرنے والے مزدوروں کے سلسلے میں بھی اس آرڈیننس کی متعلقہ دفعات پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ دفعہ ۲۲ کی ذیلی دفعہ (۷) اور (۸) کے متعلقہ حصوں کا عکس یہ ہے

(7) The trade union or federation making application to the Registrar for being declared as collective bargaining agent under sub-section (2) shall, along with the application, submit (a) in the case of a trade union, a list of its members with details of parentage, age, section, department and place of employment or ticket number and date of trade union membership and (b) in the case of a federation, a list of its affiliated trade unions, together with a list of each such trade union showing detail as set out above.

(8) (a) The Registrar shall obtain lists of all workmen employed in the establishment or industrial unit, or as the case may be the whole industry from the employers. Such lists shall contain details as set out in sub-section (7) of all workmen. The names of workmen whose period of employment in their establishment or industrial unit is less than three months, and who are not members of a trade union, shall be excluded from these lists.

(*Industrial Relations Ordinance, 1969*)

ان دو ذیلی دفعات میں یہ بات کہی گئی ہے کہ رجسٹرار متعلقہ آجر یا انتظامیہ سے اس ادارہ کے تمام ملازمین کی فہرست حاصل کریگا جس میں ہر ملازم کے نام کے ساتھ اس کی ولدیت، عمر، سیکشن، محکمہ، ملازمت کی جگہ یا ٹکٹ نمبر اور ٹریڈ یونین کی رکنیت کی تاریخ ہوگی۔ اس فہرست میں سے ان ملازمین کے نام خارج کر دیئے جائیں گے جن کی مدت ملازمت تین ماہ سے کم ہے، اور جو کسی ٹریڈ یونین کے ممبر نہیں ہیں۔
ان تمام مطلوبہ تفصیلات کو ذہن میں رکھئے اور ذیل میں دی ہوئی اس فہرست کے ایک حصہ کا عکس ملاحظہ فرمایئے، جس کو کہ رجسٹرار نے اس ریفرنڈم کیلئے آخری فہرست رائے دہندگان کے طور پر استعمال کیا۔ مندرجہ ذیل باتیں آپ کے سامنے آئیں گی۔

۱۔ اس میں کسی ملازم کی ولدیت نہیں دی ہوئی ہے۔
۲۔ اس میں کسی ملازم کی عمر نہیں دی ہوئی ہے۔
۳۔ ۹ ہزار سے اوپر ملازمین کی اس فہرست میں تقریباً سات ہزار ملازمین کی تاریخ ملازمت ہی نہیں دی گئی ہے بلکہ صرف سال ملازمت ۶۷ء لکھا گیا ہے اور وہ بھی بالکل غلط ہے۔
۴۔ پانچ چھ ہزار ملازمین ایسے ہیں جو ۱۹۴۸ء اور ۱۹۶۶ء کی درمیانی مدت میں ملازم ہوئے ہیں، لیکن اس فہرست میں ان تمام افراد کا سال ملازمت ۱۹۶۷ء لکھا ہوا ہے۔

P.I.A. STAFF LIST STATION WISE
DECEMBER-69

Security
Karachi

Verified w.r.t.
Sr. No. 177
[signature]
24.XII.69
Election Officer
Union Referendum

[redacted]EAL OF TRADE UNIONS

	DP	STN	STAFF	EMPLOYEE NAME	GRP	A/DATE
1.	25	111	00630	A REHMAN	03	00-00-67
2.	25	001	00632	NOOR N SHAH	03	00-00-67
3.	25	001	00643	ALI GOHAR	03	00-00-67
4.	25	001	01101	WAIDAN GUL	03	00-00-67
5.	25	001	01105	SHER MOHAMMAD	03	00-00-67
6.	25	001	01109	M SABIR	03	00-00-67
7.	25	001	01111	AKBER SHAH	03	00-00-67
8.	25	001	01119	A AZIZ KHAN	03	00-00-67
9.	25	001	01137	SADIQ HUSSAIN	03	00-00-67
10.	25	001	01155	JANAB A SHAH	03	00-00-67
11.	25	001	01367	M HUSAIN	03	00-00-67
12.	25	001	01638	HASHMAT ALI KHAN	03	00-00-67
13.	25	001	01713	M SULTAN	03	00-00-67
14.	25	001	01959	IMROZ KHAN	03	00-00-67
15.	25	111	02521	MATIULLAH ABBASI	03	00-00-67
16.	25	001	03656	PEER MOHD	01	01-07-68
17.	25	001	04212	S M ALI	08	00-00-67
18.	25	111	04286	MOHAMMAD NAWAZ	01	00-00-67
19.	25	111	04500	GULAB KHAN	01	00-00-67
20.	25	001	04671	KHUDA BUKSH	01	00-00-67
21.	25	001	06100	M YOUSUF	01	00-00-67
22.	25	001	06513	FAQIR MOHAMMAD	05	00-00-67

۵۔ کسی ملازم کی ٹریڈ یونین رکنیت کی تاریخ نہیں دی گئی ہے

آرڈی ننس میں کہا گیا ہے کہ اس فہرست میں سے وہ نام خارج کر دیے جائیں گے جو کسی ٹریڈ یونین کے ممبر نہیں ہیں۔ لیکن اوپر اس فہرست کے جس حصے کا عکس دیا گیا ہے وہ ایک ایسے ڈپارٹمنٹ کے اسٹاف کی لسٹ ہے، جس پر خود پی آئی اے انتظامیہ نے یونین کا ممبر نہ بننے کی پابندی لگائی ہوئی ہے اور باوجود کئی خطوط لکھنے کے یہ پابندی نہیں اٹھائی گئی۔ خود محکمہ محنت کو اس بات کی اطلاع ہے۔ مگر ان لوگوں کو بھی اس فہرست میں بطور رائے دہندگان شامل کیا گیا ہے۔

کیا یہ تمام باتیں اس آرڈیننس کی خلاف ورزی نہیں ہیں؟

ووٹرس لسٹ میں ان تمام تفصیلات کا ہونا اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ ووٹنگ منصفانہ ہو سکے اور صرف اصلی ووٹر ہی اپنا ووٹ ڈالے، کیونکہ ایک شخص کو خود اپنے بارے میں تمام تفصیلات معلوم ہوتی ہیں۔ اگر اصل ووٹر کے بجائے کوئی اور شخص اس کا ووٹ ڈالنے جائے گا تو دوسری تفصیلات درست نہیں بتا سکے گا اور آسانی سے پکڑا جا سکتا ہے۔ جب ریفرنڈم کا بنیادی مقصد ہی یہ ہو کہ باہر سے کرائے پر لائے ہوئے جماعت اسلامی، اسلامی جمعیت طلبہ اور دوسری سامراجی تنظیموں کے افراد سے پی آئی اے کے ریفرنڈم میں ووٹ ڈلوا کر پہلے سے تیار کردہ نتائج کا اعلان کیا جائے تو پھر ان تمام تفصیلات کو دے کر کام میں دشواری کیوں پیدا کی جاتی؟ چنانچہ پی آئی اے انتظامیہ نے اسی حساب سے فہرستیں تیار کر کے دیں جس طرح حکومت کے نمائندوں اور سامراجی ایجنٹ جماعت اسلامی کے لوگوں سے طے ہو گیا تھا۔

آیئے اسے ذرا اور واضح کر دیا جائے۔

ریفرنڈم ۲۹ دسمبر ۶۹ء کو صبح پانچ بجے سے شروع ہونا تھا۔ ۲۸ دسمبر ۶۹ء کی شام کو جماعت اسلامی کی آلہ کار یونین کی طرف سے ایک ریفرنڈم کانفرنس منعقد کی گئی تھی۔ جس میں مندرجہ ذیل تنظیموں کے افراد نے شرکت کی تھی اس کا انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ اخبارات اور ہینڈبلوں کے ذریعے اعلان کیا گیا تھا۔

① جماعت اسلامی ② اسلامی جمعیت طلبہ ③ تحریک بیداری طلبہ ④ پاکستان نیشنل فیڈریشن آف ٹریڈ یونینز ⑤ پاکستان سینٹرل فیڈریشن آف ٹریڈ یونینز ⑥ مسلم نوجوانان پاکستان ⑦ پاکستان مسلم محاذ ⑧ نیشنل لیبر فیڈریشن ⑨ کے ڈی اے ورکرز یونین ⑩ مزدور اتحاد کمیٹی وغیرہ وغیرہ۔

۲۸ دسمبر کی رات ہی سے مندرجہ بالا تمام تنظیموں کے لوگ پی آئی اے ہی میں جمع تھے اور ان کی خاطر تواضع کیلئے دیگوں پر دیگیں تیار ہوتی رہیں۔

ریفرنڈم میں ووٹ ڈالنے کیلئے شناختی کارڈ کا ہونا ضروری تھا اور ووٹر کو بیلٹ پیپر دینے کے بعد شناختی کارڈ پر مہر لگا دی جاتی تھی کہ بیلٹ پیپر دے دیا گیا۔ پی آئی اے کے سیکورٹی ڈپارٹمنٹ کا عملہ اس جگہ موجود تھا اور وقت کے وقت شناختی کارڈ بنائے جا رہے تھے شروع کے اوقات میں ہی ہزاروں افراد کو شناختی کارڈ بنا کر دے دیئے گئے۔ جن پر نام اور اسٹاف نمبر تو پی آئی اے کے ملازمین کا ہوتا تھا مگر تصویر اس شخص کی جسے ووٹ ڈالنا ہوتا تھا۔ شہر سے جماعت اسلامی، جمعیت طلبہ اور دوسری سامراجی تنظیموں کے تمام لوگ اس روز پی آئی اے اسٹاف کی حیثیت سے ریفرنڈم میں ووٹ ڈال رہے تھے اور کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔

پی آئی اے کے منیجنگ ڈائرکٹر درانی صاحب نے بذات خود اور اپنے بہت سے افسران کے ذریعے ماتحت اسٹاف کو ووٹ ڈالنے پر مجبور کیا۔ اپنے منصوبہ کو کامیاب ہوتے دیکھنے کیلئے خود پولنگ بوتھ پہنچے۔ جماعت اسلامی کے کارندوں نے شکریے کے طور پر درانی زندہ باد کے نعرے لگائے۔ جس پر خود پی آئی اے کے مزدور انتہائی حیرت زدہ تھے اور پی آئی اے میں جماعت اسلامی کی آلہ کار یونین کے افراد بہت پریشان تھے کہ اس سے تو وقت سے پہلے ہی گٹھ جوڑ بے نقاب ہو گیا۔ اس واقعے

کی رپورٹنگ اخبارات میں رکوانے کے لئے تمام کوششیں کی گئیں مگر اس کے باوجود ایک آدھ اخبار سے چوک ہو گئی اور درانی زندہ باد کے نعروں کی خبر بھی چھپ گئی ۔

اس سلسلہ میں ایک اور دلچسپ چیز بھی آپ کے سامنے پیش کر دی جائے ۔ ذرا یہ عکس اور ملاحظہ فرمایئے ۔

کے عہدیداران اور کارکنان کے خلاف انتقامی کارروائیاں کرا رہی ہے ۔ انتظامیہ ایک کام خود کرنا چاہتی ہے تو پہلے چمچہ یونین سے اس کام کا مطالبہ کراتی ہے اور پھر اس مطالبے کو پورا کر کے نیکی کی شکل میں وہ کام کرتی ہے ۔

اسی ماہ کی ۱۲ جنوری کو اس چمچہ یونین نے ایک جنرل باڈی میٹنگ کی تھی چمچہ یونین اور انتظامیہ کی ساز باز کا ایک اور زندہ ثبوت ہم آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں

TEMPORARY PERMIT

=======

Ballot Paper Issued 29 - 12 - 1969.

No. 579

Dated: 17-4-69.

Name Mr. Shamsuzoha. S/o Mr. Narul. Hoq.

P- Personal ~~along with~~ Servant- of Mr. A.K.M. Mustafa (P-17930 DISL+)

permitted to enter Pakistan International Airlines ~~Corporation~~

for the purpose of ~~Bringing food etc for Mr. A.K.M. Mustafa~~

~~subject to the permission of the Officer-in Charge of the premises~~

~~Valid for/Upto 1969.~~

for CHIEF SECURITY OFFICER



یہ پی آئی اے کے کسی ملازم کا شناختی کارڈ نہیں ہے اور نہ یہ پی آئی اے کے کسی ملازم کی تصویر ہے ۔ بلکہ یہ پی آئی اے کے ایک اسٹاف کا گھریلو ملازم ہے، جو کہ دوپہر کو دفتر میں کھانا لاتا ہے ۔ پی آئی اے کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت کے طور پر سیکیورٹی ڈپارٹمنٹ نے اسے ایک گیٹ پاس دیا ہوا ہے، جس پر اس کی تصویر بھی چسپاں ہے ۔ اس پاس کے اوپر بائیں کونے پر بلیٹ پیپر اشوڈ کی مہر اور ۲۹ - ۱۲ - ۶۹ صاف پڑھا جا رہا ہے ۔ غور فرمایئے کہ اس ریفرنڈم کے ڈھونگ میں اس شخص نے بھی ووٹ ڈالا ۔

بہر حال یہ تھا ریفرنڈم کا ڈھونگ ۔ پہلے سے تیار کردہ نتائج دوسرے روز صبح کے اخبارات میں شائع ہو گئے جبکہ ووٹنگ رات کے بارہ بجے تک ہوئی تھی اور مغربی پاکستان کے تمام اسٹیشنوں پر ہوئی تھی مگر اس سائنسی دور میں ہر چیز ممکن ہے ۔

اس یکطرفہ ٹریفک کے نتائج پر مودودی صاحب ۔ احتشام الحق تھانوی صاحب، نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب نے بھی بڑی بغلیں بجائیں بلکہ مودودی صاحب نے تو دوسرے اداروں میں بھی اپنے کارندوں کو یہی مشورہ دیا کہ اپنے یہاں بھی وہی ڈرامہ کریں جو پی آئی اے میں کھیلا گیا ہے ۔

اب ریفرنڈم کے بعد پی آئی اے میں کیا ہو رہا ہے اس سے بھی قارئین کو باخبر کر دیا جائے ۔ پی آئی اے کی انتظامیہ نے بھی تو کچھ سوچ سمجھ کے ہی اس چمچہ یونین کو آگے بڑھایا تھا ۔ چنانچہ اس نے من مانی کارروائیاں شروع کر دیں' ایرویز ایمپلائز یونین کے عہدیداران اور کارکنوں کو انتقامی کارروائی کا نشانہ بنایا جانے لگا ۔ الیکٹرک اوورہال شاپ کے چیف شاپ اسٹیورڈ اور منشور کے ادارہ کے ایک اہم رکن جناب خالد حمیدی کو ملازمت سے بغیر کوئی وجہ بتائے برطرف کر دیا گیا ۔ فیلڈ سروس سیکشن کے شاپ اسٹیورڈ جناب ایم ۔ ٹی ۔ ہادی کو بغیر کوئی وجہ بتائے ملازمت سے برطرف کیا جا چکا ہے ۔ مختلف سیکشنوں میں اونچی اسامیوں پر باہر سے تقرریاں ہونا شروع ہو گئیں ۔ انتظامیہ اپنی مرضی سے لوگوں کے تبادلے و ترقی کر رہی ہے خود چمچہ یونین انتظامیہ کے ساتھ ساز باز کر کے ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ

یہ وہ نوٹس ہے جس کے ذریعے چمچہ یونین کی جنرل باڈی میٹنگ میں شرکت کرنے کے لئے اسٹاف کو ۱½ گھنٹے کی رخصت دی گئی تھی ۔ ملاحظہ فرمایئے ۔

PAKISTAN INTERNATIONAL AIRLINES
KARACHI AIRPORT

Ref: IRM/126/LM/70 January 10, 1970

STAFF NOTICE

At the request of PIAC Employees Union, Management has agreed that those staff who are performing duties from 0900 hours to 1645 hours will be released 1½ hours earlier i.e. 1530 hours on 12th January, 1970 to enable them to attend general body meeting arranged by the PIAC Employees Union at the Airport.

The staff will, however, work upto 1315 hours on Saturday the 17th January, 1970.

(I.A. ZUBAIRI)
INDUSTRIAL RELATIONS
MANAGER

اسی جنرل باڈی میٹنگ میں انتظامیہ نے چمچہ یونین کے ذریعے یہ مطالبہ کرایا کہ جناب طفیل عباس صاحب اور خورشید صاحب کو ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر تبدیل کیا جائے ۔ چنانچہ پی آئی اے انتظامیہ نے فوراً ہی یہ "مطالبہ تسلیم" کر لیا اور دونوں افراد اپنی جگہوں سے تبدیل کر دیئے گئے ۔ بہت سے ان افراد کو ملازمتوں سے برطرف کرنے کے



مجھے نئے کپڑوں میں دفن نہ کیا جائے، نئے کپڑوں کے زیادہ مستحق وہ ہیں جو زندہ اور برہنہ ہیں — ابوبکر صدیقؓ

جب تک اہل محفل کی گفتگو نہ سن لو، خود گفتگو نہ کرو — حضرت لقمان

دشمن سے بدلہ اس کے مال کے ذریعے نہ لے، بلکہ اس کی جڑ اکھاڑ دے! — حضرت امیر خسروؒ

تم اس طرح بن جاؤ جس طرح کہ تم اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہو، یا پھر اس طرح بنو جس طرح کہ تم ہو! — بایزید بسطامیؒ

فطرت کی طاقت کو اسیر کرنا ہی آدمی کا کام نہیں ہے بلکہ اپنی زندگی کی تخلیق کے ساتھ ساتھ اس کرۂ ارض کو بھی ہر اعتبار سے زیادہ حسین بنانا، فطری جھیلوں سے زیادہ حسین جھیلوں کو کاٹنا، کوہساروں کی تراش خراش کرنا اور ریگستانوں کو حسین نخلستانوں میں تبدیل کرنا ہے۔ لیکن یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس زمین پر سامراجی نظام، اس کی نعم جنگ و غارتگری، مارکیٹ کا وہ منحوس جال جس میں غلام ممالک مچھلیوں کی طرح تڑپا کرتے ہیں اور استحصال کی طاقتیں زندہ ہیں۔ اسی لئے انسان کا سب سے زیادہ حسین عمل، پیار و محبت سے لاکھوں گنا زیادہ حسین ان چیزوں سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد ہے — ممتاز حسین

منافقت بانجھ ہوتی ہے۔ — جاوید اختر

جو شخص تقلید کرتا ہے، ہمیشہ پیچھے ہی رہتا ہے — ونکل مان

ایک المناک جذبہ، اگر غیر معمولی طور پر شدید نہ ہو، تو وہ سوچنے پر خوشگوار محسوس ہوا کرتا ہے — لارڈ کیمز

موسیقی، قلب کی گنتی ہے، بغیر اس علم کے، کہ گنتی ہے — لائبنیز

فن کا حقیقی مقصد، تصورات و جذبات کو صوری طور پر حواس کے ذریعے قلب کے سامنے لانا ہے۔ — شیفٹس بری

فن ایک قوت ہے، جس کی مملکت وسیع ترین قسم کی ہے، آگ، ہوا، پانی، زمین اور قلب انسانی سب ہی اس سے متاثر ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اس کا مقصد ہمیشہ ہی خیر ہوتا ہے، خیر جو حیات انسانی سے متعلق ہو، اور انسان کے لئے قابل حصول ہو — جیمز ہیرس

اچھا فن پیدا کرنا ہو تو فطرت کی طرف رجوع کرو — ڈیڈیرو

مصوری ایک طرح کی گونگی شاعری ہے اور شاعری بولتی ہوئی مصوری — سائمنڈز

وہ تھیٹر جہاں دنیا کی بہترین المیہ، بہترین اداکاروں کے ذریعے دکھائی جا رہی ہو، یہ اعلان ہوتے ہی خالی ہو جائے گا کہ قریب ہی چوک میں کسی اعلیٰ سرکاری عہدیدار کو اس کے جرم کی پاداش میں تختۂ دار پر لٹکایا جا رہا ہے — برک

حسن تو ہمارے اندر صرف ایک تصور ہے — ہچسن

حسن کو حاصل کرنے کی خواہش، خود حسن سے محظوظ ہونے سے بہت مختلف ہوا کرتی ہے — مینڈلسن

ہماری جمالیاتی حس ہمارے ساتھ پیدا نہیں ہوئی تھی، بلکہ یہ تو وقت کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور رسم و رواج یا اتفاق کے ذریعے کسی بھی سانچے میں ڈھل سکتی ہے — ابراہیم ٹکر

حشرات الارض مفید تو ہیں مگر خوبصورت نہیں، شیر خوبصورت تو ہے مگر مفید نہیں ہے — برٹرینڈ رسل

اعضائے جسمانی کی ایک موزوں ترکیب ہوتی ہے، اگر اس میں دلآویز رنگ کا اضافہ کر دیا جائے تو اسے حسن کہتے ہیں — سسرو

قلب، حسن کو کبھی نہ دیکھتا، اگر پہلے خود حسین نہ بن گیا ہوتا — افلاطونس

کسی پیش نظر حقیقت یا واقعیت کی نقل کو اپنے زور تخیل سے حد کمال تک پہنچا دینا ہی فن ہے — ارسطو

قلب کی طمانیت اور دکھ کا فقدان تو پرسکون خوشیاں ہیں لیکن لطف اندوزی اور لذت پذیری عمل میں نظر آتی ہے۔ — ابیقورس

فطرت نے بہت سے جانوروں کو حسن کی خاطر پیدا کیا ہے اور وہ ان کے رنگوں سے لطف اٹھاتی اور ان کے جمال سے خوشی حاصل کرتی ہے، مثلاً مور اپنی دم اور حسن کی خاطر پیدا ہوا ہے — کرائی سپس

افادیت حسن کا ایک حصہ ہے۔ حسن کا انحصار بہت سی چیزوں پر ہوتا ہے، چنانچہ جب ہم اسے کام میں لانا چاہتے ہیں تو اسے عسیر الحصول پاتے ہیں۔ ہمیں لازماً اسے ادھر ادھر سے اکٹھا کر کے یکجا کرنا چاہیے، بہت سی خوبصورت چیزوں میں سے کسی اچھی شئے کو حاصل کرنا چاہیے، جس طرح شہد کو بہت سے پھولوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ سچا نقطہ اعتدال، افراط و تفریط کے درمیان ہوا کرتا ہے — ڈیوریر

ریفرنڈم کے خلاف پٹیشن کا مکمل متن

مغربی پاکستان ہائی کورٹ کراچی بنچ کراچی میں

پٹیشن نمبر ۲۵۷ بابت ۱۹۶۹ء

ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ جس کا رجسٹرڈ دفتر پی آئی اے بلڈنگ کراچی ایئرپورٹ پر ہے، بذریعہ جنرل سکریٹری الطاف حسین بالغ، مسلم، ساکن ناظم آباد
مدعی

بنام

۱- پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کارپوریشن، بذریعہ منیجنگ ڈائرکٹر یا دفتر کا انچارج کوئی بھی ڈائرکٹر کراچی ائرپورٹ، کراچی

۲- رجسٹرار ٹریڈ یونینز لاہور، بذریعہ جوائنٹ ڈائرکٹر لیبر ویلفیئر، دیپ چند اوجھا روڈ، کراچی

۳- جناب ایس ایم اشرف، اسسٹنٹ ڈائرکٹر لیبر ویلفیئر (ہیڈ کوارٹرز) اور الیکشن آفیسر برائے رجسٹرار ٹریڈ یونینز، مغربی پاکستان کیمپ کراچی، بذریعہ جوائنٹ ڈائرکٹر لیبر ویلفیئر دیپ چند اوجھا روڈ کراچی۔

۴- پی آئی اے سی ایمپلائز یونین (مغربی پاکستان) بذریعہ جنرل سکریٹری یا دفتر کا چارج سنبھالے ہوئے کوئی بھی عہدیدار،

دفتر واقع ۲۲۰- النور چیمبرز نزد پلازا سینما بندر روڈ کراچی اور دفتر واقع اسٹار گیٹ نزد ہوٹل ڈی فرانس، کراچی ائرپورٹ

اور

سیکنڈ لیبر کورٹ مغربی پاکستان، کراچی

...... مدعا علیہان

دستور پاکستان کے آرٹیکل نمبر ۹۸ جو کہ عارضی دستوری حکم ۱۹۶۹ء کے تحت نافذ کیا گیا کے تحت درخواست

مدعی مذکورہ بالا مندرجہ ذیل گزارش پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔

۱- یہ کہ مدعی یونین پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کارپوریشن کے تمام پاکستان میں اسٹیبلشمنٹ میں مزدوروں کی ایک رجسٹرڈ اور تسلیم شدہ یونین ہے مدعی یونین کے رجسٹرڈ دستور کی ایک کاپی میں منسلک ہے۔ اور نشان 'اے' ہے۔

۲- مدعی یونین کی ممبرشپ پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کارپوریشن کے تمام سیکشنوں / محکموں / اسٹیشنوں پر بلا امتیاز مشرقی و مغربی پاکستان یا بیرون پاکستان، ہزاروں مزدوروں پر مشتمل ہے۔

۳- یہ کہ ماضی قریب میں پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ کے کچھ مزدوروں نے ایک اور یونین قائم کی جو کہ مدعا علیہ نمبر ۴ ہے، اور اسے بھی مدعا علیہ نمبر ۲ نے رجسٹرڈ کر دیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مدعا علیہ نمبر ۴ نے انڈسٹریل ریلیشنز آرڈی ننس سنہ ۱۹۶۹ء کی دفعہ ۲۲ کے تحت پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ کے لئے اجتماعی سوداکاری کی نمائندہ طے کرنے کے واسطے مدعا علیہ نمبر ۲ سے درخواست کی ہے۔

۴- یہ کہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے جیسا کہ مدعا علیہ نمبر ۳ کا دعویٰ ہے، مدعا علیہ ۳ کو اس بات کے لیے نامزد کیا ہے کہ وہ پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ۔ مدعا علیہ نمبر ۱ کے لئے اجتماعی سوداکاری کا ایجنٹ طے کرنے کے واسطے خفیہ بیلٹ کرائیں۔

۵- یہ کہ مدعا علیہ نمبر ۳ پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کارپوریشن کے لئے اجتماعی سوداکاری کا ایجنٹ طے کرنے کے واسطے خفیہ بیلٹ کرانے کے اقدامات کر رہا ہے۔

۶- یہ کہ، انتہائی حیرت انگیز طور پر، اور انڈسٹریل ریلیشنز آرڈی ننس سنہ ۱۹۶۹ء کی شرائط سے صریحاً اعراض برتتے ہوئے مدعا علیہ نمبر ۳ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مجوزہ ریفرنڈم میں پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ کے صرف وہی مزدور پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ کے اجتماعی سوداکاری کا ایجنٹ طے کرنے کے لئے ووٹ دینے کے حق دار ہوں گے جو کہ مغربی پاکستان میں تعینات ہیں۔ ۲۳ر دسمبر ۱۹۶۹ء کے خط کی نقل منسلک ہے اور نشان (ب) ہے۔

گزارش ہے کہ پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ اسٹاف مزدوروں کو کل پاکستان بنیاد پر کسی مخصوص جگہ یا صوبے میں تعینات کرنے کی شرط کے بغیر ملازم رکھتی ہے۔ اس طرح پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کارپوریشن

کے تمام مزدور بغیر اس امتیاز کے کہ وہ مشرقی یا مغربی پاکستان میں تعینات ہیں، اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ وہ پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ میں اجتماعی سوداکاری کا ایجنٹ طے کرنیکے لئے ریفرنڈم میں حصہ لیں

۷۔ یہ کہ اجتماعی سوداکاری کا ایجنٹ ایک اسٹیبلشمنٹ، یا صنعتی یونٹ کے لئے طے کیا جاتا ہے نہ کہ اسٹیبلشمنٹ کے کسی سیکشن، محکمہ، اسٹیشن یا حصہ کے لئے اس لئے پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ میں خدمات انجام دینے والے ایک ٹریڈ یونین کے ممبران کو محروم رکھنا انڈسٹریل ریلیشنز آرڈی ننس ۱۹۶۹ء کے خلاف ہوگا۔ اجتماعی سوداکاری کے ایجنٹ کی تعریف جو کہ سیکشن ۲ (V) میں دی ہوئی ہے مندرجہ ذیل ہے:۔

"ایک اسٹیبلشمنٹ یا صنعت کے سلسلے میں" اجتماعی سوداکاری کے ایجنٹ" کا مطلب ہے مزدوروں کی وہ ٹریڈ یونین جو کہ سیکشن ۲۲ کے تحت، اسٹیبلشمنٹ یا صنعت جو بھی صورت ہو، میں اجتماعی سوداکاری کے معاملے میں مزدوروں کی ایجنٹ ہے۔"

۸۔ یہ کہ انڈسٹریل ریلیشنز آرڈیننس کے سیکشن ۱۳ (سی) کے تحت رجسٹرار کا فرض "یہ سوال طے کرتا ہے کہ ایک اسٹیبلشمنٹ یا ایک صنعت میں کونسی ایک ٹریڈ یونین اس بات کی مستحق ہے کہ اسے اس اسٹیبلشمنٹ یا صنعت کے لئے اجتماعی سوداکاری کے ایجنٹ کے طور پر تصدیق کیا جائے" مدعا علیہ نمبر ۱، ۲ اور ۳ صرف ان ملازمین کو ووٹ کا حق دیکر اس لازمی شق کی خلاف ورزی کر رہے ہیں جو کہ پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ میں مغربی پاکستان میں تعینات ہیں۔

۹۔ یہ کہ مدعا علیہ نمبر ۳ نے پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ مغربی پاکستان میں کام کرنے والے مزدوروں کی ایک فہرست حاصل کی ہے۔ مدعی اس فہرست کو اس بنیاد پر چیلنج کرنا چاہتا ہے کہ سیکشن ۲۲ (۷) اور ۸ میں دی ہوئی لازمی تفصیلات کی پابندی نہیں کی گئی ہے۔ مذکورہ فہرست سے یہ بات بھی ظاہر نہیں ہوتی ہے کہ آیا ان مزدوروں کے نام نکال دیئے گئے ہیں جن کی مدت ملازمت تین ماہ سے کم ہے اور جو کسی ٹریڈ یونین کے ممبر نہیں ہیں۔ اس کے برخلاف اس فہرست میں بہت سے ایسے بھی مزدور شامل ہیں جو کہ کسی ٹریڈ یونین کے ممبر نہیں ہیں۔ لیکن اسے آخری فہرست کے طور پر تصدیق کر لیا گیا ہے۔ ایسے مزدوروں کی ایک فہرست جو کسی ٹریڈ یونین کے ممبر نہیں ہیں مگر ان کے نام فہرست میں موجود ہیں بشمولہ (سی) کے طور پر دی جا رہی ہے

۱۰۔ یہ کہ مزدوروں کی فہرست جو کہ آج مدعا علیہ نمبر ۱ نے مدعا علیہ نمبر ۳ کو مہیا کی ہے، دفعہ ۲۲ کی ذیلی دفعہ ۷، اور ۸ کے خلاف ہیں کیونکہ ان میں لازمی تفصیلات اور جزئیات موجود نہیں ہیں اور اس ضرورت کی بھی خلاف ورزی کرتی ہے کہ اس میں سے ان ملازمین کے نام نہیں نکالے گئے ہیں جن کی مدت ملازمت تین ماہ سے کم ہے۔ اور جو کہ ٹریڈ یونین کے ممبر نہیں ہیں۔

۱۱۔ یہ کہ رجسٹرار ٹریڈ یونینز مغربی پاکستان، مدعا علیہ نمبر ۲ یا اس کے نامزد نے درخواست گذار کو انڈسٹریل ریلیشنز آرڈیننس ۱۹۶۹ء کے سیکشن ۲۲ (۸) بی کے مطابق خفیہ بیلٹ کرانے کی تاریخ کی اطلاع نہیں دی ہے جبکہ اخباری اطلاعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۲۹ دسمبر ۱۹۶۹ء کو خفیہ بیلٹ کرا رہا ہے۔ روزنامہ حوان مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۶۹ء میں شائع شدہ ایک اخباری بیان ساتھ میں منسلک ہے۔ اور اس کا نشان (ڈی) ہے۔

۱۲۔ یہ کہ مدعا علیہ نمبر ۱ مدعا علیہ نمبر ۳ کو فراہم کردہ پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ کے مزدوروں کی فہرست میں ان مزدوروں کے نام شامل نہ کر کے جو کہ مشرقی پاکستان میں تعینات ہیں ان فیئر لیبر پریکٹس کے مجرم ہیں کیونکہ وہ مزدوروں پر ایک ایسی پابندی عائد کر رہے ہیں کہ وہ اپنی مرضی کی ٹریڈ یونین سے ممبر شپ ختم کر دیں یہ مزدوروں کے آزادی تنظیم اور اپنی مرضی کی ٹریڈ یونین کا ممبر بننے کی آزادی کے حق کی بھی خلاف ورزی ہے۔

۱۳۔ یہ کہ مدعی نے انڈسٹریل ریلیشنز آرڈیننس ۱۹۶۹ء کے تحت مغربی پاکستان کے سکنڈ لیبر کورٹ میں بھی ایک درخواست دائر کی تھی اس درخواست کی ایک نقل مع حکم امتناعی کی درخواست کے ساتھ میں منسلک ہے۔

۱۴۔ یہ کہ لیبر کورٹ میں مدعی کی درخواست سماعت کے لئے منظور کر لی گئی ہے۔ لیکن مذکورہ درخواست پر کوئی مناسب اور مؤثر حکم نہیں دیا گیا ہے حکم کی نقل ساتھ میں منسلک ہے اور نشان "ای" ہے۔ ووٹرس لسٹ مدعی کو ۲۴ دسمبر ۱۹۶۹ء کو سہ پہر ۲ بجکر ۴۵ منٹ پر دی گئی تھی۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۶۹ء کو کرسمس کی چھٹی تھی، ۲۶ دسمبر کی صبح کو مدعی نے مدعا علیہ نمبر ۵ کے روبرو یہ تنازعہ پیش کر دیا۔ معزز لیبر کورٹ نے ۲۷ دسمبر ۱۹۶۹ء کو حکم جاری کیا اور اس کی نقل دو پہر کو ڈیڑھ بجے دی۔ عرض ہے کہ مدعا علیہ نمبر ۵ کا حکم منسلکہ "ای" انڈسٹریل ریلیشنز آرڈیننس سے صریحاً انحراف ہے اور مدعی کے نقصان میں مخالفانہ حکم کے آخری فیصلے کے طور پر اختیار کرنے کے مترادف ہے۔

۱۵۔ یہ کہ مدعی کے پاس اس پٹیشن کے علاوہ کوئی اور مناسب، مؤثر، کارگر اور فوری چارہ کار نہیں تھا۔

۱۶۔ یہ کہ اس پٹیشن کے لئے وجہ چارہ جوئی سب سے پہلے ۲۴ دسمبر ۱۹۶۹ء کو پیدا ہوئی جبکہ مدعا علیہ نمبر ۲ نے ناقص ووٹر لسٹ مہیا کی جس میں غیر قانونی طور پر پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ کے ان تمام ملازمین کے نام جو مغربی پاکستان میں کام نہیں کر رہے ہیں، شامل نہیں تھے، اور آخری بار ۲۷ دسمبر ۱۹۶۹ء کو جبکہ لیبر کورٹ اپنی حد اختیار استعمال کرنے میں ناکام رہا۔

اس لئے یہ استدعا کی جاتی ہے کہ یہ معزز عدالت یہ اعلان کرے۔

(ا) کہ پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ کے لئے اجتماعی سوداکاری کا ایجنٹ طے کرنے کے لئے صرف انھیں مزدوروں کو ووٹ کا حق دیکر ریفرنڈم کرانا جو کہ پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن میں مغربی پاکستان میں ملازم ہیں۔ اور پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن کے مشرقی پاکستان اور بیرون ملک مزدوروں کو جو کہ ایک یونین کے ممبر ہیں خارج کر دینا مزدوروں کے ان حقوق کی خلاف ورزی ہے جن کی ضمانت انڈسٹریل ریلیشنز آرڈیننس ۱۹۶۹ء میں دی گئی ہے اور اس لئے اسے قانون میں خراب Bad in Law اور پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن کے مزدوروں پر غیر لازم قرار دیا جائے۔

(اا) یہ کہ مدعا علیہ نمبر ۱ نے مدعا علیہ نمبر ۳ کو جو لسٹ بطور ووٹرس لسٹ مہیا کی ہے وہ نامکمل ہے اور انڈسٹریل ریلیشنز آرڈیننس ۱۹۶۹ء کے لوازمات کے خلاف ہے مدعا علیہان کو مستقل طور پر مذکورہ لسٹ کو پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ کی آخری ووٹرس لسٹ بنانے سے روکا جائے۔ اور مدعا علیہان کو ہدایت کی جائے کہ وہ انڈسٹریل ریلیشنز آرڈیننس ۱۹۶۹ء کے مندرجات پر سختی سے عملدر آمد کریں۔ اور اسی کے مطابق اور ٹریڈ یونین کے تمام ممبران کو ووٹ کا حق دیتے ہوئے پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن اسٹیبلشمنٹ میں ریفرنڈم کرائیں۔

کراچی، ۲۷ دسمبر ۱۹۶۹ء ۔

مدعی۔
جنرل سکریٹری
ایرویز ایمپلائز یونین، پی آئی اے برانچ کراچی
ڈرافٹ تیار کردہ۔ (عبدالرحمٰن) ایڈووکیٹ

خالد حمیدی



سونے کی دلدل

(سرمایہ دار ملکوں میں معاشی بحرانوں کا ایک جائزہ)

زیر نظر مضمون منشور کے پنجالہ نمبر جنوری ۶۹ء کیلئے تحریر کیا گیا تھا بعض دشواریوں کی بناء پر پنجالہ نمبر اشاعت پذیر نہ ہو سکا اور اس مضمون کی اشاعت ملتوی رہی۔ مضمون کی افادیت کے پیش نظر اسے اب شائع کیا جا رہا ہے اس دوران میں بین الاقوامی مالیاتی صورت حال میں کئی تبدیلیاں پیش آ چکی ہیں اور زیر نظر مضمون کی کئی پیش گوئیاں صحیح ثابت ہو چکی ہیں جس سے مضمون کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے (ادارہ)

میں نے منشور کے شمارہ ستمبر ۶۸ء میں ایک مضمون بعنوان "سرمایہ دار دنیا آتش فشاں کے دہانے پر" تحریر کیا تھا۔ اس مضمون میں سرمایہ دار ممالک میں عوامی بیداری اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف محنت کش طبقوں کی پرجوش جدوجہد کا جائزہ لیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں فرانس کی عوامی بغاوت اور اسے کچلنے کیلئے سابق صدر ڈیگال کے مختلف ظالمانہ اور عیارانہ ہتھکنڈوں اور نام نہاد انتخابات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ:-

"یہ بات یقینی ہے کہ سرمایہ دار اور سامراجی ممالک عوامی جدوجہد کے اس طوفان کا زور توڑنے میں وقتی طور پر کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ان کے پاس پولیس ہے، فوج ہے۔ ظلم و تشدد کی پوری مشینری ان کے قبضے میں ہے لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود تاریخ کے پہیے پر ان کی گرفت نہیں، وقت کا دھارا ان کے بس سے باہر ہے، عوام کی قوت ان کی فوج اور پولیس سے زیادہ مضبوط ہے۔ جدوجہد کا قانون یہی ہے کہ وہ دب دب کر ابھرتی ہے ہر بار اس کی شدت اور اس کا زور پہلے سے زیادہ ہوتا ہے، آج دنیا بھر میں عموماً اور فرانس میں خصوصاً سرمایہ داری کے خلاف جو ابھار آیا ہے۔ وہ ایک طویل جدوجہد کا حصہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ صدر ڈیگال انتخابات کی آڑ لیکر فی الحال اپنی مسند بچا لے گئے ہیں۔ لیکن اب اس مسند کے پائے کھوکھلے ہو چکے ہیں"

"گالسٹ پارٹی اور سنیٹرڈ یمو کریٹس نے صرف انتہا پسند دائیں بازو کی طاقتوں کے بل بوتے پر کامیابی حاصل کی ہے اور اب انتخابات کے بعد حکومت اور اس کی پالیسیوں پر ان دائیں بازو کی جماعتوں کا اثر لازمی طور پر غالب رہے گا جس کے نتیجے میں اجارہ دار سرمایہ دار طبقے اور محنت کش طبقے کے درمیان تضاد اور شدید ہو جائے گا، اور طبقاتی کشمکش اور تیز ہو گی۔ اس سے یہ نتیجہ کسی طور پر بھی اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ فرانس کی موجودہ حکومت کو استحکام حاصل ہو گا۔

اگر حکومت کی پالیسیوں میں انقلابی تبدیلیاں نہیں کی جائیں (جو کہ ظاہر ہے نہیں کی جائیں گی) تو ایک کروڑ سے زائد مزدوروں کے مسائل اور مشکلات بدستور رہیں گی۔

اس کے باوجود کہ مزدوروں کی تنخواہوں میں تھوڑا بہت اضافہ کیا جا رہا ہے تاہم اشیائے صرف کی یکایک بے پناہ گرانی اس اضافے کو بے حقیقت بنا دے گی۔

اسی کے ساتھ ساتھ اقتصادی مسائل بدستور رہیں گے ۔ پچاسی لاکھ بے روزگاروں کو روزگار مہیا نہ ہوسکے گا، تعلیمی نظام میں خاطرخواہ اصلاح نہ ہوسکے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ برسراقتدار پارٹی نے انتخابات سے پہلے جو خوش آئند وعدے کئے تھے اب عوام ان وعدوں کی تکمیل پر زور دیں گے اور حکومت ایک ایسی کڑی آزمائش میں گرفتار ہوجائے گی جو انتخابات کے مرحلے سے بھی زیادہ دشوار اور جان لیوا ہوگی ۔"

اس تجزیے کی صداقت فرانس میں انتخابات کے صرف چند ہی ماہ بعد ظاہر ہوگئی ہے پہلے تو فرانس ایک ایسے مالیاتی بحران سے دوچار ہوا جس سے نہ صرف فرانسیسی سکّے فرانک کی بلکہ اسٹرلنگ اور ڈالر کی قیمتیں بھی متزلزل ہوگئیں ۔ مغربی دنیا کی سرمائے کی منڈیوں میں زبردست بھونچال آیا اور اس کے بعد ڈیگال کے ایوان حکومت کے ستون ایک بار پھر اس شدت سے لڑکھڑائے کہ بالآخر ڈیگال کی عظمت کا مینار زمیں بوس ہوگیا ۔ زیرنظر مضمون میں سرمایہ دار ممالک کے مالیاتی بحران کساد بازاری اور اس کے اسباب و نتائج سے بحث کی گئی ہے اس لئے کہ ایک طرف تو محنت کش طبقہ جدوجہد کے ذریعے سرمایہ دارانہ نظام کو اس کی قبر کی طرف دھکیلتا ہے اور دوسری طرف خود اس نظام کی اپنی خرابیاں اس کے تابوت میں پے درپے کیلیں ٹھونکتی رہتی ہیں۔

مالیاتی بحران اور کساد بازاری سرمایہ دارانہ نظام کا ایک تلازمہ ہیں اور ان کے نتیجے میں آئے دن سکّوں کی قیمتیں گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں ۔ سرمایہ دار ممالک تجارتی دوڑ میں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑ جانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں اور پھر بڑے ممالک تو ساری دنیا کی تجارت کو بس اپنی مٹھی میں جکڑ لینا چاہتے ہیں ۔ اسی قسم کی کوشش میں کامیاب ہو کر دوسری عالمی جنگ کے بعد دنیا کے سب سے بڑے سرمایہ دار ملک امریکہ نے بین الاقوامی تجارت میں اپنے سکّے ڈالر کو دوسرے تمام ممالک پر مسلط کردیا تھا ۔ ڈیگال حکومت نے برسراقتدار آنے کے بعد ڈالر کی اس برتری کے خلاف جدوجہد شروع کی تھی اور فرانک کی بین الاقوامی پوزیشن بنانے کی کوششوں میں ڈیگال حکومت اپنے عوام کی ضروریات اور سرمایہ و محنت کے تضاد سے ابھرنے والی ملکی قوتوں کی طرف سے نہ صرف غافل ہوئی بلکہ ان قوتوں کو کچلنے کیلئے فاشی اور آمرانہ ہتھکنڈے اختیار کرنے پر مائل ہوگئی جس کا نتیجہ سنہ ۶۸ء کا سیاسی بحران تھا ۔ اور اس کے بعد کا مالیاتی بحران بھی اسی سلسلے کی ایک اور کڑی تھا۔

محولہ بالا مضمون میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ فرانس کا سیاسی بحران بین الاقوامی سیاسی بحران کا ایک حصہ ہے تمام سرمایہ دار دنیا میں ترقی پسند محنت کش قوتیں ابھر رہی ہیں اور ان کی وجہ سے یہ پورا نظام ایڑیاں رگڑ رہا ہے زیرنظر مضمون میں دیکھنا ہے کہ فرانس کے مالیاتی بحران کا بین الاقوامی مالیاتی بحران سے کیا تعلق ہے ؟ مغربی دنیا کے بڑے سکّوں، ڈالر، اسٹرلنگ، مارک اور فرانک میں ایک دوسرے کی جگہ لینے کی جو کشمکش جاری ہے وہ سرمایہ دارانہ نظام کی فطری بدنظمی اور سامراجی منصوبوں کی تکمیل کی گھناؤنی کوششوں سے مل کر ایک انتہائی مکروہ شکل اختیار کرتی جارہی ہے ۔

آیئے ایک نظر اس بحران کے ابتدائی اسباب پر ڈالتے چلیں ۔

ابتدائی زمانے میں اشیاء کے باہمی تبادلے یعنی بارٹر سسٹم کے تحت تجارت ہوتی تھی ۔ چونکہ یہ طریقہ بیحد وقت طلب تھا اس لئے تجارت کو وسعت اور سہولت دینے کی غرض سے سکوں کا رواج ہوا گزشتہ ادوار میں تقریباً تمام ملکوں میں سونے یا چاندی کے سکے رائج تھے ۔ سرمایہ دارانہ نظام میں اشیائے صَرف کی پیداوار اور تبادلے میں زبردست ترقی ہوئی جس کے نتیجے میں سونے چاندی کے سکے نہ صرف ضرورت سے کم ثابت ہوئے بلکہ وزن کی بنا پر ان کا استعمال بھی دشوار محسوس ہونے لگا اور اس طرح دنیا میں قیمتی دھاتوں کے بھاری سکوں کی جگہ کاغذی سکے کا ظہور ہوا ۔ جب سرمایہ دارانہ نظام ترقی کرکے سامراجیت تک پہنچا تو سامراجی ممالک نے اپنی نو آبادیوں اور خود اپنے ملکوں کے عوام کا بھرپور استحصال کرنے کی غرض سے بڑی مقدار میں کاغذی سکے جاری کرئے اپنے ان کاغذی سکوں پر عوام کا اعتماد بحال رکھنے کی غرض سے سونے اور کاغذی سکے میں ایک مخصوص مساوات قائم کی جاری شدہ کاغذی سکوں کی مقدار کے تناسب سے ان کی ضمانت دینے کی غرض سے محفوظ ذخائر بھی رکھے ۔ اب بین الاقوامی طور پر یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی ملک بہت زیادہ کاغذی سکے جاری کردے اور اس کے سونے کے اور بیرونی تبادلے کے ذخائر میں شدید کمی واقع ہوجائے تو عوام اس ملک کے سکے پر اعتماد کھو بیٹھتے ہیں اور اس کی قیمت میں کمی کا اندیشہ پیدا ہوجاتا ہے ۔ ان حالات میں وہ لوگ جن کے پاس یہ سکے کثیر مقدار میں ہوتے ہیں وہ نقصان سے بچنے کی غرض سے اپنے سکے کسی زیادہ مستحکم سکے یا سونے سے تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں گزشتہ دنوں سونے کی منڈیوں میں بے پناہ خریداری کا سبب ڈالر اور پاؤنڈ کی قیمتوں پر عوام کا عدم اعتماد تھا نومبر ۶۷ء میں پونڈ کی قیمت کم کی گئی اور اس طرح ڈالر کی قیمت بھی متزلزل ہوگئی تھی اور ان سکوں کے ذخیرہ اندوز ان کے بدلے سونے کی خریداری کی طرف مائل ہوگئے تھے۔

گزشتہ دو عالمی جنگوں کے دوران برطانوی سامراج نے اپنی نوآبادیوں میں نوٹ کی شکل میں کاغذی سکے کثیر مقدار میں جاری کئے، دنیا بھر میں اپنا سرمایہ کھپایا اور منافع کے بدلے سونا حاصل کرکے لندن میں سونے کا ڈھیر لگادیا ۔ اس وقت بیشتر ممالک کے درمیان کسی سکے کا تبادلہ پاؤنڈ اور اس کے درمیان قائم شدہ مساوات کی بنیاد پر کیا جانے لگا تھا اس طرح بین الاقوامی تجارت اور سرمایہ دار دنیا کے درمیان قرضہ جات کے لئے پاؤنڈ کو بنیادی سکے کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی ۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران امریکی سامراج نے دوسرے جنگ باز سامراجی ممالک

کے ہاتھ اپنے تیار کردہ اسلحہ کی تجارت کے ذریعے زبردست منافع حاصل کیا اور سونے کے عظیم ذخائر قائم کر لئے۔ امریکہ نے سونے کی منڈی میں اپنی پوزیشن بنانے کے بعد ایک ایسے بین الاقوامی مالیاتی نظام کی بنیاد رکھی جو ڈالری اینٹوں پر استوار کیا گیا تھا۔ جولائی سنہ ۱۹۴۴ء میں نیو ہمپ شائر امریکہ کے ایک شہر برٹن وڈز میں ۴۵ ملکوں کے نمائندوں نے مل کر یہ طے کیا کہ ان ملکوں کے درمیان لین دین میں ڈالر کو کلیدی سکے کی حیثیت حاصل ہوگی لیکن اس کے باوجود یہ ممالک اپنے قرضہ جات کا تصفیہ سونے کے ذریعہ ہی کریں گے برٹن وڈز کی اسی کانفرنس میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور عالمی بنک قائم کیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کانفرنس میں امریکہ نے ڈالر اور سونے کے درمیان ایک طے شدہ مساوات کا اعلان کر دیا جس کے تحت دوسرے ممالک کسی بھی وقت امریکہ سے ۳۵ ڈالر فی اونس کی شرح پر سونا خرید سکتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکی سامراج دنیا بھر میں نمبر اول کا سامراجی ملک بن گیا اور اس نے دنیا بھر کی دولت اور خصوصاً مغربی یورپ کا سونا اپنے یہاں مرتکز کر لیا۔ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ سنہ ۱۹۴۸ء تک امریکہ دنیا بھر کے سونے کے ذخائر کے ۷۰% حصے پر قابض ہو چکا تھا۔ اور نتیجتاً امریکی ڈالر نے سرمایہ دار دنیا میں استعمال ہونیوالے سکے کے طور پر اسٹرلنگ کی جگہ حاصل کر لی بعض ملکوں نے تو اپنے سکے اور سونے کے ذخائر کی جگہ ڈالر کا ذخیرہ کرنا بھی شروع کر دیا اور اس طرح برطانوی سامراج کے زوال کے ساتھ ساتھ برطانوی اسٹرلنگ کی قدر و قیمت بھی زوال پذیر ہوتی چلی گئی۔ اب یہ حالت ہے کہ پاؤنڈ اپنے اور ڈالر کے درمیان مقررہ مساوات پر انحصار کر کے بمشکل تمام اپنی پوزیشن قائم رکھے ہوئے ہے۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد مالی طور پر کمزور ممالک اپنی بیرونی تجارت کے لئے زر مبادلہ کے طور پر پاونڈ اور ڈالر کو استعمال کرنے پر مجبور تھے اس طرح ڈالر اور پاونڈ سرمایہ دار دنیا کے بین الاقوامی سکوں کی حیثیت اختیار کر گئے اور امریکی سامراج نے ڈالر کی پوزیشن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دنیا بھر میں اقتصادی توسیع کے منصوبوں پر دل کھول کر عمل کیا اور پھر اسکے سامراجی عزائم کا رخ اقتصادی توسیع سے بڑھ کر جارحیت پھیلانے کیلئے دنیا بھر میں فوجی اڈے قائم کرنے، فوجیں تعینات کرنے جارحانہ جنگیں شروع کرنے اور بہت سے ملکوں کے رجعت پرست حکمرانوں کی نام نہاد "امداد" کرنے کی جانب مڑ گیا۔ ان تمام سرگرمیوں سے امریکی اقتصادیات پر تباہ کن اثر پڑا، اس کے غیر ملکی اخراجات میں بے پناہ اضافہ ہوا اور ان تمام چیزوں نے سرمایہ دارانہ نظام کے غیر متوازن ترقی کے قانون سے مل کر امریکہ کے اقتصادی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ امریکہ غیر ممالک میں اپنا تجارتی مال جھونکتا رہتا ہے اور غیر ملکی تجارت میں اربوں ڈالر کا منافع کھسوٹتا ہے، یہ حقیقت بھی اپنی جگہ رہتی ہے کہ اسکی غیر ملکی ادائیگیوں میں ہر سال کئی کئی ارب کا خسارہ ہو جاتا ہے، بین الاقوامی ادائیگیوں میں عدم توازن کی بنا پر دوسرے ممالک کے پاس ڈالر کا ذخیرہ ہو جاتا ہے جسے وہ امریکی سونے سے تبدیل کر لیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۴۹ء میں امریکہ کے پاس ۲۴½ ارب ڈالر مالیت کے سونے کا ذخیرہ تھا جو اب گھٹ کر ۱۰½ ارب ڈالر کے برابر رہ گیا ہے، دوسری طرف اس کے جنگی جنون میں اضافہ ہوا ہے اور اس نے اربوں ڈالر سالانہ ویت نام کی اور دوسری جنگوں میں جھونک دیا ہے۔ ان باتوں کے نتیجے میں واشنگٹن کی معاشیات کے ناخدا اس بات پر مجبور رہے ہیں کہ سونے کے ذخائر کی مالیت سے زائد کے ڈالر نوٹ دھڑا دھڑا چھاپ کر منڈی میں پہنچا دیں۔ گرتی ہوئی ساکھ کو بچانے کی اس منفی حکمت عملی نے افراط زر کو جنم دیا جو دن بدن بڑھتا جا رہا ہے اور اب ڈالر کی قوت خرید دوسری عالمی جنگ سے پہلے کی قوت کے مقابلے میں صرف ۴۰% رہ گئی ہے ان باتوں کو دیکھتے ہوئے بین الاقوامی تجارتی حلقے ڈالر کی قیمت پر اعتماد کرنے میں اب ہچکچانے لگے ہیں۔

نومبر ۶۷ء میں پاونڈ اسٹرلنگ کی قیمت میں کمی نے ڈالر کے مستقبل کو بھی غیر یقینی بنا دیا ہے اور چونکہ امریکہ میں سونے کی منڈی نہیں ہے اس لئے گزشتہ سال ڈالر کی ساکھ خطرے میں پڑتی دیکھ کر وہ تمام حلقے جن کے پاس ڈالر کے ذخائر تھے وہ سونے کی خریداری کے لئے دنیا کی سب سے بڑی منڈی لندن پر ٹوٹ پڑے خریداری اتنی زیادہ تھی کہ برطانیہ مانگ پوری کرنے سے قاصر تھا۔ تجارتی حلقوں پر سونے کی خریداری کا جو جنون طاری تھا اس کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ لندن مارکیٹ جس میں عام طور پر روزانہ تقریباً ۵ ٹن سونا فروخت ہوتا ہے اس میں صرف ۲۴ نومبر ۶۸ء کو ۲۰۰ ٹن کے قریب سونا فروخت ہوا تھا۔ زبردست خریداری کے باوجود مشکل یہ تھی کہ سونے کی قیمت بڑھائی بھی نہ جا سکتی تھی اس لئے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو ڈالر کی طلائی مساوات ڈھیر ہو کر رہ جاتی اور نتیجتاً ڈالر کی قیمت کم کرنا پڑتی جس کے لئے امریکی سامراج اور اس کے حواری قطعی تیار نہ تھے۔

ان حالات میں امریکی سامراج مجبور تھا کہ سونے کی مانگ اپنے ذخائر سے پوری کر کے ڈالر کی ساکھ بچالے جائے۔ مگر اس کوشش میں اسے ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا وہ یہ کہ امریکی سونے کے رہے سہے ذخائر میں مزید کمی آگئی ہے۔

سنہ ۱۹۶۰ء کے بین الاقوامی مالیاتی بحران کے بعد امریکی سامراج نے برطانیہ فرانس، مغربی جرمنی، اٹلی، بلجیم، نیدرلینڈ اور سوئٹزرلینڈ کو ملا کر ایک طلائی "پول" قائم کیا تھا اور ان ملکوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے سونے کے ذخائر ڈالر کی ساکھ بچانے کی خاطر بھینٹ چڑھا دیں۔ لیکن خود سرمایہ دار ممالک میں موجود تضادات کے نتیجے میں فرانس نے "پول" سے علیحدگی اختیار کر لی اور دوسرے ممالک بھی اب اسی انداز میں سوچ رہے ہیں اور ایسے

کے ہاتھ اپنے تیار کردہ اسلحہ کی تجارت کے ذریعے زبردست منافع حاصل کیا اور سونے کے عظیم ذخائر قائم کر لئے ۔ امریکہ نے سونے کی منڈی میں اپنی پوزیشن بنانیکے بعد ایک ایسے بین الاقوامی مالیاتی نظام کی بنیاد رکھی جو ڈالری اینٹوں پر استوار کیا گیا تھا ۔ جولائی ۱۹۴۴ء میں نیوہمپ شائر امریکہ کے ایک شہر برٹن وڈز میں ۴۵ ملکوں کے نمائندوں نے مل کر یہ طے کیا کہ ان ملکوں کے درمیان لین دین میں ڈالر کو کلیدی سکے کی حیثیت حاصل ہوگی لیکن اس کے باوجود یہ ممالک اپنے قرضہ جات کا تصفیہ سونے کے ذریعہ ہی کرینگے برٹن وڈز کی اسی کانفرنس میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور عالمی بنک قائم کیا گیا ۔ ساتھ ہی ساتھ اس کانفرنس میں امریکہ نے ڈالر اور سونے کے درمیان ایک طے شدہ مساوات کا اعلان کردیا جس کے تحت دوسرے ممالک کسی بھی وقت امریکہ سے ۳۵ ڈالر فی اونس کی شرح پر سونا خرید سکتے تھے ۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکی سامراج دنیا بھر میں نمبر اول کا سامراجی ملک بن گیا اور اس نے دنیا بھر کی دولت اور خصوصاً مغربی یورپ کا سونا اپنے یہاں مرتکز کرلیا ۔ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ سنہ ۱۹۴۸ء تک امریکہ دنیا بھر کے سونے کے ذخائر کے ۷۰٪ حصے پر قابض ہو چکا تھا ۔ اور نتیجتاً امریکی ڈالر نے سرمایہ دار دنیا میں استعمال ہونیوالے سکے کے طور پر اسٹرلنگ کی جگہ حاصل کرلی بعض ملکوں نے تو اپنے سکے اور سونے کے ذخائر کی جگہ ڈالر کا ذخیرہ کرنا بھی شروع کردیا اور اس طرح برطانوی سامراج کے زوال کے ساتھ ساتھ برطانوی اسٹرلنگ کی قدر و قیمت بھی زوال پذیر ہوتی چلی گئی ۔ اب یہ حالت ہے کہ پاؤنڈ اپنے اور ڈالر کے درمیان مقررہ مساوات پر انحصار کرکے بمشکل تمام اپنی پوزیشن قائم رکھے ہوئے ہے ۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد مالی طور پر کمزور ممالک اپنی بیرونی تجارت کے لئے زرمبادلہ کے طور پر پاونڈ اور ڈالر کو استعمال کرنے پر مجبور تھے اس طرح ڈالر اور پاونڈ سرمایہ دار دنیا کے بین الاقوامی سکوں کی حیثیت اختیار کرگئے اور امریکی سامراج نے ڈالر کی پوزیشن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دنیا بھر میں اقتصادی توسیع کے منصوبوں پر دل کھول کر عمل کیا اور پھر اسکے سامراجی عزائم کا رخ اقتصادی توسیع سے بڑھ کر جارحیت پھیلانے کیلئے دنیا بھر میں فوجی اڈے قائم کرنے، فوجیں تعینات کرنے جارحانہ جنگیں شروع کرنے اور بہت سے ملکوں کے رجعت پرست حکمرانوں کی نام نہاد "امداد" کرنے کی جانب مڑ گیا ۔ ان تمام سرگرمیوں سے امریکی اقتصادیات پر تباہ کن اثر پڑا، اس کے غیر ملکی اخراجات میں بے پناہ اضافہ ہوا اور ان تمام چیزوں نے سرمایہ دارانہ نظام کے غیر متوازن ترقی کے قانون سے مل کر امریکہ کے اقتصادی ڈھانچے کو ہلا کر رکھدیا ۔ اس حقیقت کے باوجود کہ امریکہ غیر ممالک میں اپنا تجارتی مال جھونکتا رہتا ہے اور غیر ملکی تجارت میں اربوں ڈالر کا منافع کھسوٹتا ہے، یہ حقیقت بھی اپنی جگہ رہتی ہے کہ اسکی غیر ملکی ادائیگیوں میں ہر سال کئی کئی ارب کا خسارہ ہو جاتا ہے، بین الاقوامی ادائیگیوں میں عدم توازن کی بنا پر دوسرے ممالک کے پاس ڈالر کا ذخیرہ ہو جاتا ہے جسے وہ امریکی سونے سے تبدیل کرلیتے ہیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۴۹ء میں امریکہ کے پاس ۲۴½ ارب ڈالر مالیت کے سونے کا ذخیرہ تھا جو اب گھٹ کر ۱۰½ ارب ڈالر کے برابر رہ گیا ہے، دوسری طرف اس کے جنگی جنون میں اضافہ ہوا ہے اور اس نے اربوں ڈالر سالانہ ویت نام کی اور دوسری جنگوں میں جھونک دیا ہے ۔ ان باتوں کے نتیجے میں واشنگٹن کی معاشیات کے ناخدا اس بات پر مجبور رہے ہیں کہ سونے کے ذخائر کی مالیت سے زائد کے ڈالر نوٹ دھڑا دھڑ چھاپ کر منڈی میں پہنچا دیں ۔ گرتی ہوئی ساکھ کو بچانے کی اس منفی حکمت عملی نے افراط زر کو جنم دیا جو دن بدن بڑھتا جارہا ہے اور اب ڈالر کی قوت خرید دوسری عالمی جنگ سے پہلے کی قوت کے مقابلے میں صرف ۴۰٪ رہ گئی ہے ان باتوں کو دیکھتے ہوئے بین الاقوامی تجارتی حلقے ڈالر کی قیمت پر اعتماد کرنے میں اب ہچکچانے لگے ہیں ۔

نومبر ۶۷ء میں پاونڈ اسٹرلنگ کی قیمت میں کمی نے ڈالر کے مستقبل کو بھی غیر یقینی بنا دیا ہے اور چونکہ امریکہ میں سونے کی منڈی نہیں ہے اس لئے گزشتہ سال ڈالر کی ساکھ خطرے میں پڑتی دیکھ کر وہ تمام حلقے جن کے پاس ڈالر کے ذخائر تھے وہ سونے کی خریداری کے لئے دنیا کی سب سے بڑی منڈی لندن پر ٹوٹ پڑے خریداری اتنی زیادہ تھی کہ برطانیہ مانگ پوری کرنے سے قاصر تھا ۔ تجارتی حلقوں پر سونے کی خریداری کا جو جنون طاری تھا اس کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ لندن مارکیٹ جس میں عام طور پر روزانہ تقریباً ۵ ٹن سونا فروخت ہوتا ہے اس میں صرف ۲۴ نومبر ۶۷ء کو ۲۰ ٹن کے قریب سونا فروخت ہوا تھا ۔ زبردست خریداری کے باوجود مشکل یہ تھی کہ سونے کی قیمت بڑھائی بھی نہ جاسکتی تھی اس لئے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو ڈالر کی طلائی مساوات ڈھیر ہو کر رہ جاتی اور نتیجتاً ڈالر کی قیمت کم کرنا پڑتی جس کے لئے امریکی سامراج اور اس کے حواری قطعی تیار نہ تھے ۔

ان حالات میں امریکی سامراج مجبور تھا کہ سونے کی مانگ اپنے ذخائر سے پوری کرکے ڈالر کی ساکھ بچالے جائے ۔ مگر اس کوشش میں اسے ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا وہ یہ کہ امریکی سونے کے بچے کھچے ذخائر میں مزید کمی آگئی ہے ۔

سنہ ۱۹۶۰ء کے بین الاقوامی مالیاتی بحران کے بعد امریکی سامراج نے برطانیہ، فرانس، مغربی جرمنی، اٹلی، بلجیم، نیدرلینڈ اور سوئٹزرلینڈ کو ملا کر ایک طلائی "پول" قائم کیا تھا اور ان ملکوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے سونے کے ذخائر ڈالر کی ساکھ بچانے کی خاطر بھینٹ چڑھا دیں ۔ لیکن خود سرمایہ دار ممالک میں موجود تضادات کے نتیجے میں فرانس نے "پول" سے علیحدگی اختیار کرلی اور دوسرے ممالک بھی اب اسی انداز میں سوچ رہے ہیں اور ایسے

کر کے امریکہ کی سیاسی اور فوجی ... دستی نے ایک بازو کو توڑ دیا۔ فرانس جانتا تھا کہ دوسرا بازو مغربی یورپ کی معیشت پر امریکی قبضہ ہے اگر اس بازو پر بھی بھرپور وار نہ کیا گیا تو امریکی حکمرانی کا جادو توڑا نہ جا سکے گا اور اس کے لئے ڈالر کی رعایت یافتہ پوزیشن پر حملہ کرنے کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں۔

ڈیگال کا خیال تھا کہ فی الوقت مشترکہ منڈی کے چھ ملکوں کے پاس جن کا سربراہ فرانس ہے، سونے کے کل ذخائر امریکہ کے سونے کے کل ذخائر سے زیادہ ہیں اور ان کے پاس بین الاقوامی ادائیگیوں میں فاضل رقم موجود ہے جبکہ امریکہ خسارے میں جا رہا ہے۔ چنانچہ اس بات کے امکانات ہیں کہ سرمایہ دار دنیا میں ان کا اثر و اقتدار بڑھ جائے اور مغربی یورپ کے ممالک اور امریکہ کے درمیان توازن طاقت مغربی یورپ کے ممالک کی جانب مائل ہو جائے۔

یہی وجوہات تھیں جن کی بنا پر ۱۹۶۷ء میں پاؤنڈ کے بحران کے موقعے پر فرانس نے برطانیہ کو قرضہ دینے سے گریز کیا اور پاؤنڈ کی قیمت گھٹنے دی۔ اس کے بعد جب امریکہ کے ایما پر برطانیہ کی سونے کی منڈی ۱۵ ر مارچ ۱۹۶۸ء کو بند کی گئی تو بینک آف فرانس کے گورنر نے پریشانی کے عالم میں فرانس کی منڈی بند کرنے کے ارادے کا اظہار کیا۔ اس وقت ڈیگال نے نہ صرف منڈی کھلی رکھنے کا حکم دیا بلکہ گورنر کو یہ کہہ کر سرزنش کی کہ "کیا بینک آف فرانس کا گورنر امریکنوں کے ہاتھوں میں کھیلنا چاہتا ہے؟" اور پھر اسی دن پیرس کی سونے کی منڈیوں میں سونے کی قیمت ۳۶ - ۳۷ ڈالر فی اونس سے بڑھ کر ۴۴ ڈالر فی اونس تک پہنچ گئی۔

برطانیہ اور امریکہ کی تمام تر موافقانہ کوششوں کے باوجود فرانس کی مخالفانہ روش کی وجہ سے ڈالر بحران سے نکل نہیں سکا۔ امریکہ کی جارحیت پسندی اور جنگ بازی کے نتیجے میں ڈالر کی ساکھ مسلسل گھٹتی رہی اور آخرکار بعض بورژوا امریکی اخبارات کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ امریکہ کے اقدامات ڈالر کو بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ امریکہ نے اس سلسلے میں جو اقدامات کئے تھے ان کا تجزیہ بھی اس مرحلے پر ضروری ہے

امریکہ نے مغربی یورپ کے بعض ممالک اور مغربی جرمنی سے مل کر جو ہنگامی قوانین وضع کئے تھے ان میں سے ایک "دو قیمتوں کا نظام" ہے۔ اس نظام کے تحت سرمایہ دار ممالک کی حکومتیں اپنے آپس کے حسابات سونے اور ڈالر کی سرکاری شرح مساوات (۳۵ ڈالر فی آؤنس) پر طے کریں گی۔ لیکن کھلے بازار کے نجی کاروبار میں سونے کی قیمت پر کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔ اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ امریکی ڈالر کی قیمت عملاً کم ہو گئی ہے بلکہ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ ڈالر کو آزادی سے سونے میں تبدیل کرنے کے مواقع ختم کر دیئے گئے ہیں اور اس طرح بین الاقوامی سکے کی حیثیت سے ڈالر کی بنیادیں اکھاڑ کر رکھ دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ اس دو رخے نظام میں اور بھی کئی جھول ہیں جنھیں نکالا نہیں جا سکتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ امریکہ خواہ کتنی بھی کوشش کرے وہ دوسرے سرمایہ دار ملکوں کو جن کے پاس امریکی ڈالر کے ذخائر موجود ہیں، اس بات سے نہ روک سکے گا کہ وہ اپنے ذخائر کے بدلے امریکی سونا مقررہ مساوات کی شرح پر خرید کر کھلی منڈی میں زیادہ داموں فروخت کریں۔ بالفاظ دیگر امریکہ اپنے سونے کے ذخائر کو دوسرے ملکوں میں منتقل ہونے سے نہ روک سکے گا اور اس کے ذخائر میں بدستور تدریجی کمی ہوتی رہے گی۔

دوسرے چونکہ دیگر مغربی ممالک کے پاس موجود اربوں، کھربوں ڈالروں کو اب پہلے جتنی آسانی سے سونے میں تبدیل نہ کیا جا سکے گا، اور چونکہ ڈالر کی اصل قیمت مسلسل کم ہو رہی ہے لہٰذا اس لئے بھی یہ ممالک اپنے ڈالر کے ذخائر مغربی یورپ کے بعض دوسرے ممالک کے زیادہ مستحکم سکے میں بدلنے کی کوشش کریں گے اور اس طرح ان مستحکم سکوں والے ملکوں کے مرکزی بنکوں کے پاس ڈالروں کے ذخائر کئی گنا بڑھ جائیں گے جس کے بعد وہ اپنے ملک کے مفادات کے پیش نظر ان ذخائر کے عوض امریکی سونا طلب کرنے پر مجبور ہوں گے اگر امریکہ نے اس تبادلے کی اجازت دی تو اس کے سونے کے ذخائر میں مزید کمی واقع ہوگی اور بصورت دیگر، اگر اس نے اس تبادلے سے انکار یا گریز کیا تو مغربی یورپ کے مرکزی بنک سرکاری شرح پر ڈالر لینے سے انکار کر دیں گے اور اس سے سرمایہ دار دنیا کی مالیاتی منڈیوں میں ایک اور شدید انتشار اور زبردست بحران پیدا ہو کر رہے گا۔ اس اقدام کے نتیجے میں متوقع امریکی قلابازی کا مطالعہ کر لینے کے بعد اب دوسرے اقدام کا جائزہ لے لیا جائے تو اچھا ہے۔

دوسرا ہنگامی اقدام بین الاقوامی مالیاتی فنڈ میں "خصوصی وصولی کے حقوق" کی اسکیم ہے اس اسکیم کے تحت آئی ایم ایف "ڈالر کی بنیاد پر" کاغذی سونے "کی شکل میں خطیر رقمیں جاری کرے گا۔ یہ "کاغذی سونا" سرمایہ دار ملکوں کے لئے محفوظ ذخائر بنانے اور ادائیگیاں طے کرنے کا ذریعہ بنے گا جبکہ ان کے پاس سونے اور ڈالر کے تحفظات پہلے سے موجود ہوں گے۔ واشنگٹن کے ماہرین کے خیال کے مطابق اسی قسم کا "کاغذی سونا" امریکہ کو نہ صرف اس کے بین الاقوامی ادائیگیوں کے خسارے پورے کرنے میں مدد دے گا بلکہ مغربی دنیا میں ایک نئے سکہ جاتی نظام کو بھی جنم دے گا جو سونے سے بے نیاز ہونے کے باوجود ڈالر کی بنیادوں پر قائم ہوگا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ منصوبہ بھی امریکہ کے زبردست خسارے کو پورا کرنے کے لئے قطعی ناکافی ہوگا۔ امریکی منصوبے کے مطابق "خصوصی وصولی کے حقوق" کے تحت پہلے پانچ سال میں دس ارب ڈالر کی رقم جاری کی جائے گی۔ یعنی ہر سال دو ارب ڈالر کی اجرائی ہوگی۔ جس میں سے امریکہ کے حصے میں صرف پانچ کروڑ ڈالر سالانہ آئیں گے جبکہ پچھلے سال تک بین الاقوامی ادائیگیوں میں امریکہ کا خسارہ تین ارب ساٹھ کروڑ ڈالر تک پہنچ چکا تھا اور اس سال اس میں مزید اضافہ ہو گیا ہوگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ اسکیم جنگ کی آگ بجھانے کے لئے

چلو بھر پانی چھڑکنے سے زیادہ نہیں۔

تیسرا ہنگامی اقدام "مالیاتی منصوبوں میں کمی" ہے اس منصوبے کے تحت امریکہ اپنے بجٹ اور بین الاقوامی ادائیگیوں کے خسارے پورے کرنے کے لئے اندرون ملک "کٹوتی" کی اسکیموں پر عمل کرے گا۔ لیکن چونکہ ظالم امریکی سامراج دنیا بھر میں پھیلے ہوئے جارحیت اور توسیع پسندی کے منصوبوں میں کوئی حقیقی کٹوتی نہیں کرے گا۔ اس لئے اس کے سب سے بڑے خرچ یعنی جنگبازی کے اخراجات میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی اس سلسلے میں اس واقعہ کا اظہار دلچسپی سے خارج نہ ہوگا کہ کٹوتی کا منصوبہ پیش کرنے کے صرف چند ہی دن بعد ۱۹۶۸ء میں ۳۱ مارچ کو امریکی سامراج کے سابق سرغنہ جانسن نے ویتنام کی جارحانہ جنگ کے لئے ۵ ارب ڈالر کے ضمنی بجٹ کا مطالبہ کیا تھا ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں "کٹوتی" کی باتیں کرنا امریکی عوام کو بیوقوف بنانے اور ان کے معیار زندگی برباد کرنے کے لئے ڈھونگ رچانے کے سوا اور کچھ نہیں روز افزوں افراط زر، بڑھتی ہوئی قیمتیں، ٹیکسوں میں اضافہ اور بظاہر تنخواہ کم کئے بغیر اصل تنخواہوں میں کمی یہ سب کی سب ویتنام میں امریکی جارحیت میں اضافے کا منطقی نتیجہ ہیں۔ امریکی محنت کش عوام کی محدود قوت خرید کو شدت سے کمزور اور مجروح کر دیا ہے۔ ان حالات میں کٹوتی کے مزید اقدامات امریکی محنت کش عوام کی قوت خرید کو بالکل ہی ختم کر کے رکھ دیں گے اور نتیجتاً زائد پیداوار کا بحران جنم لے گا۔ جس میں بیک وقت زائد پیداوار کا مالیاتی اور اقتصادی بحران بھی پیدا ہو جائے گا۔ دوسری طرف ویتنام میں بڑھتی ہوئی امریکی جارحیت نے امریکہ کے غیر ملکی اخراجات میں اضافہ کر دیا ہے، ہرچند کہ اخراجات کے اس کمر توڑ اضافے کو "مذاکرات امن" اور "عارضی جنگ بندی" کے پر فریب ڈھونگ رچا کر کم کرنے کی وقتی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن اس ڈھول کا پول کھلنے پر امریکہ کو جلد ہی ویت نام میں ایک زیادہ بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا اور "عارضی جنگ بندی" کی چھوٹی بچت پر پانی پھر کر رہ جائے گا

اسی کے ساتھ ساتھ دوسرے ملکوں سے دولت کمانے کی غرض سے امریکی سامراج ان ملکوں میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری میں مصروف ہے مگر سرمایہ دار ملکوں میں عام انحطاط پذیر اقتصادی حالت اور عالمی برآمدی منڈیوں میں زبردست مقابلے کی بنا پر توازن امریکہ کے خلاف جا رہا ہے۔

ان تمام عوامل نے مل کر امریکہ کے بین الاقوامی ادائیگیوں کے توازن میں مزید کمی کی ہے نتیجتاً امریکہ اس بات پر مجبور رہا کہ اپنی درآمدات میں زبردست تخفیف اور برآمدات میں اضافہ کر کے اپنی مشکلات دوسرے سرمایہ دار ممالک کے کندھوں پر ڈال دے۔ اس خودغرضانہ اقدام کے نتیجے میں سرمایہ دار دنیا میں ایک زبردست تجارتی جنگ چھڑ چکی ہے اور پوری سرمایہ دار دنیا اقتصادی بحران کی لپیٹ میں آ چکی ہے اس بحران کا مکمل جائزہ لینے کیلئے ضروری ہے کہ بڑی سرمایہ دار طاقتوں یعنی امریکہ، برطانیہ، فرانس اور مغربی جرمنی کی موجودہ اقتصادی صورتحال پر بھی نظر ڈالی جائے۔

امریکہ میں ۱۹۶۶ء کے بمقابلہ ۱۹۶۷ء میں امریکی معیشت کے ستونوں یعنی آٹوموبائل اور فولاد کی صنعتوں میں بالترتیب ۸ و ۱۳ اور ۶ فیصد کمی آئی یہ کمی تدریج ابھی تک جاری ہے اور موجودہ سال میں ان صنعتوں کی پیداوار میں پچھلے سالوں کے مقابلے میں اور بھی کمی ہوئی ہے گی۔ اس کے علاوہ جو چیز امریکی اجارہ داروں کو سب سے زیادہ پریشان کئے ہوئے ہے۔ وہ نئی فیکٹریوں کے آرڈروں میں معتدبہ کمی ہے۔ دیرپا اشیاء کے کارخانوں کے آرڈر پچھلے گیارہ سال کے مقابلے میں گزشتہ سال سب سے کم رہے ہیں اور مشین ٹول فیکٹریوں کے آرڈر چار سال کے مقابلے میں سب سے کم رہے۔ غیر ملکی تجارت کی صورتحال اور بھی نازک ہے۔ گزشتہ سال امریکہ کی مجموعی درآمدات میں ۲۲ % اضافہ ہوا جبکہ برآمدات میں صرف ۹% اضافہ ہوا۔ اس طرح امریکہ کو غیر ملکی تجارت میں گزشتہ سال بین الاقوامی ادائیگیوں کے توازن میں ۱۳ % نقصان رہا۔ درآمدات میں جو اضافہ ہوا اس کا چھٹا حصہ یعنی تقریباً ایک ارب ڈالر کا اضافہ امریکی محنت کشوں کی جدوجہد کے نتیجے میں ہوا۔ مثال کے طور پر کان کنی کے مزدوروں کی ۳۷ ہفتے کی ہڑتال کے نتیجے میں گزشتہ سال کی پہلی ششماہی میں امریکہ کو ۶۰ کروڑ ڈالر کا تانبہ درآمد کرنا پڑا۔ فولاد کی صنعتوں میں ہڑتال کے اندیشے کی بنا پر لوہے اور فولاد کی درآمدات میں ۵۹ % اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ افراط زر کے شکار امریکی صارفین نے بھی اشیاء ضرورت درآمد کروانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ گزشتہ سال کے پہلے نو ماہ میں پارچہ جات اور ملبوسات کی درآمد میں ۳۱ % شراب کی درآمد میں ۳۲ % ریڈیو ٹیلیویژن کی درآمد میں ۴۹ % اضافہ ہوا۔ کناڈا سے محصول معاف تجارت کے علاوہ موٹر گاڑیوں کی درآمد میں ۷۰ % یا تینتالیس کروڑ ڈالر کا اضافہ ہوا جبکہ ہوائی جہازوں کی برآمد کے ذریعے امریکہ نے اپنے تجارتی خسارے کو کم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے باوجود ۱۹۶۸ء میں امریکہ کو زرمبادلہ میں ایک ارب ستر کروڑ ڈالر کا خسارہ رہا اور اب اس خسارے کی رفتار دن بدن بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ امریکی سامراج اپنی ان تمام کھلی کوششوں کے باوجود سرمایہ دارانہ تجارت کے لازمی نتائج اقتصادی انتشار اور مالیاتی بحران کا شکار ہونے سے نہ بچ سکے گا۔ اور پیداواری قوتوں کے اندھادھند پھیلاؤ اور منڈیوں میں مال کی گرتی ہوئی طلب کے درمیان تضاد برابر بڑھتا رہے گا۔ نتیجتاً زائد پیداوار کا بحران پیدا ہونے کی رفتار مزید تیز ہوگی۔ یہ سب کچھ سامراجی ملکوں کی غیر ملکی

تجارت میں شدید تر مقابلے اور محنت کش عوام کی رہی سہی قوت خرید میں مزید کمی کا ناگزیر نتیجہ ہوگا۔

اس کے بعد دنیا کے دوسرے بڑے سامراجی اور سرمایہ دار ملک برطانیہ کی معیشت پر ایک نظر ڈالئے!

برطانوی سامراج کے زوال اور اس کے نوآبادیاتی مقبوضات کے خاتمے کے بعد برطانوی صنعتوں میں ٹھہراؤ کی سی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ یہ صورتحال گزشتہ کئی سال سے جاری تھی یہانتک کہ سنہ ۱۹۶۷ء میں بعض شعبوں کی پیداوار میں کمی بھی ہوئی۔ فولاد سازی کی صنعت میں سنہ ۱۹۶۵ء کے مقابلے میں ۵ء۱۱ فیصد کمی ہوئی۔ موٹر کاروں کی صنعت کی حالت اور بھی دگرگوں رہی سنہ ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۷ء کے عرصے میں، سنہ ۶۷ء میں موٹروں کی پیداوار سب سے کم رہی۔ تجارتی موٹر گاڑیوں کی تعداد پیداوار سنہ ۶۶ء کے بمقابلہ ۱۳٪ گر گئی۔ کوئلے اور پارچہ بافی کی صنعتوں میں بھی زوال آیا جبکہ مشین اور جہاز سازی کی صنعتوں میں ٹھہراؤ رہا۔

پیداوار میں کمی اور ٹھہراؤ کے ساتھ ہی ساتھ سرمایہ کاری میں بھی کمی آئی۔ برطانوی بورڈ آف ٹریڈ کے یکم مارچ ۱۹۶۸ء کے اندازے کے مطابق ملک میں صنعتی سرمایہ کاری سنہ ۱۹۶۶ء کے مقابلے میں سنہ ۶۷ء کی آخری سہ ماہی میں ۶٪ اور پورے سنہ ۱۹۶۷ء میں ۳٪ کم رہی۔ یہ تلخ حقائق برطانوی سرمایہ داروں اور صنعتکاروں کے لئے سوہان روح بنے ہوئے ہیں اور انھیں برطانوی صنعتوں کے مستقبل پر زوال کے بادل چھائے ہوئے نظر آرہے ہیں صنعتوں میں زوال سے ان کے منافع میں کمی آئی ہے اور ان کی منافع خوری کی ہوس جھنجلاہٹ میں اور بھی بڑھ گئی ہے۔ سرمایہ دار طبقہ کسی بھی حالت میں اپنے منافع میں کمی برداشت نہیں کرسکتا یہی وجہ ہے کہ برطانوی سرمایہ داروں نے اپنے منافع کی کمی پوری کرنیکے لئے محنت کشوں کے جابرانہ استحصال میں شدت اختیار کرلی ہے انھیں ملازمتوں سے برطرف کیا ہے اور مزدوروں کی کم سے کم تعداد کے ذریعے زیادہ سے زیادہ کام لینے کی کوشش میں بے روزگاری کا مسئلہ کھڑا کردیا ہے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق سنہ ۱۹۶۷ء کے دوران برطانیہ کے بے روزگاروں کی تعداد ۵ اور ۶ لاکھ کے درمیان تھی اور یہ تعداد سنہ ۱۹۶۶ء کے اولیں نصف کے مقابلے میں دوگنی تھی۔ تلخ تر حقیقت یہ ہے کہ ان اعداد و شمار میں شمالی آئرلینڈ کا علاقہ شامل نہیں ہے جہاں بیروزگاری کا مسئلہ اور بھی زیادہ سنگین ہے۔ بیروزگاری پیدا کرنیکے علاوہ برطانوی سرمایہ دار طبقہ اجرتیں کم کرنے اور قیمتیں بڑھانے میں ایک دوسرے پر بازی لیجانے کی کوشش میں مبتلا ہے۔ برطانوی اخبارات کی اطلاعات کے بموجب پاؤنڈ کی قیمت میں کمی کے بعد سے سنہ ۶۸ء کے اواخر تک تین ہزار سے زائد اشیاء کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ ہوچکا تھا۔

برطانوی سرمایہ داروں کی آلۂ کار لیبر حکومت پاؤنڈ کی قیمت بحال رکھنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے لیکن یورپ کے حالیہ مالیاتی بحران نے پاؤنڈ کو ایک بار پھر کنارے کے بل کھڑا کردیا ہے۔ یہ ایک ہی اشارے میں نیچے آرہے گا۔ حالات ظاہر کررہے ہیں کہ عالمی سرمایہ دار منڈی برطانوی معیشت کو تباہی سے بچانے میں کوئی مدد نہیں کرسکتی۔ اور پھر ایسے حالات میں جبکہ ڈالر، پاؤنڈ، فرانک اور مارک کے درمیان تباہ کن مقابلہ جاری ہو، یہ امر ناگزیر ہے کہ مارک اور ڈالر کے مقابلے میں برطانوی معیشت شکست سے دوچار ہوگی

آیئے اب ذرا مغربی جرمنی کا بھی معاشی جائزہ لیتے چلیں۔ امریکہ اور یورپ کے سرمایہ دار ملکوں سے مقابلے میں اس وقت مغربی جرمنی کی معیشت سب سے زیادہ مستحکم ہے۔ اس کے باوجود گزشتہ چند سالوں کا جائزہ لینے پر اس کی معیشت بھی دھیرے دھیرے زوال کی راہ پر گامزن نظر آتی ہے۔ سنہ ۶۶ء کے مقابلے میں سنہ ۱۹۶۷ء میں تقریباً تمام بڑی صنعتوں میں پیداوار میں کمی آئی ہے اور یہ ایک ایسی عجیب بات ہے جو سنہ ۱۹۴۹ء کے بعد سے ابتک مغربی جرمنی میں نہیں ہوئی تھی۔ اس کی صنعتی پیداوار سال بہ سال بڑھتی ہی جارہی تھی۔ تعمیراتی اور موٹر سازی کی صنعتیں جنہوں نے مغربی جرمنی کی معاشی ترقی میں اہم ترین کردار ادا کیا تھا یکایک نیچے گری ہیں۔ اس کے علاوہ کوئلے جہاز سازی مشین سازی اور اشیائے صرف کی صنعتوں پر بھی گزشتہ سال انحطاط طاری رہا ان سب باتوں نے مل کر مغربی جرمنی کی معیشت پر کاری وار کیا ہے۔

مغربی جرمنی کے سرمایہ داروں نے بھی برطانوی سرمایہ داروں کی طرح پیداوار میں کمی کے نتیجے میں منافعوں میں کمی کا بوجھ محنت کش طبقے پر ڈال کر بے روزگاری کے مسئلے کو جنم دیا۔ مغربی پریس کے مطابق سرمایہ داروں نے سنہ ۶۶ء کے اوائل سے ۱۹۶۸ء کے اوائل تک دس لاکھ سے زائد مزدوروں کو بے تنخواہ جبری چھٹی دی۔ جن میں سے پانچ لاکھ سے زائد مزدور مغربی جرمنی سے تعلق رکھتے تھے اور ساڑھے تین لاکھ غیر ملکی مزدور تھے جنھیں ملازمتوں سے برطرف کرکے مغربی جرمنی سے نکال دیا۔

بڑھتی ہوئی بے روزگاری کے ساتھ ہی ساتھ مہنگائی میں روزافزوں اضافہ ہورہا ہے اور نتیجتاً محنت کش طبقے کی قوت خرید میں کمی آرہی ہے گھریلو منڈیاں سرد بازاری کا شکار ہیں۔ اس کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ دسمبر ۶۷ء کے بمقابلہ جنوری ۱۹۶۸ء میں تھوک اور خوردہ تجارت میں بالترتیب ۲۵٪ اور ۴۱٪ کمی ہوئی۔ اس کے علاوہ مغربی جرمنی کی غیر ملکی تجارت میں ۱۰٪ کمی پاؤنڈ کی قیمت میں کمی کی بناء پر پہلے ہی آچکی تھی۔ برطانیہ کو سنہ ۶۸ء میں زرمبادلہ میں ستر کروڑ پاؤنڈز سے زائد خسارہ تھا جو سنہ ۶۷ء کے مقابلے میں ساڑھے پندرہ کروڑ پاؤنڈ زیادہ تھا۔ سال رواں کے اولیں چار ماہ میں یہ خسارہ انیس کروڑ پاؤنڈز تک پہنچ چکا ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

یہ بات اور بھی تشویشناک ہے کہ مغربی جرمنی کی بیرونی تجارت بڑی حد تک امریکہ سے وابستہ ہے اور امریکہ نے ڈالر کو بچانے کیلئے جو "ہنگامی اقدامات" کئے ہیں۔ وہ مغربی جرمنی کی غیر ملکی تجارت پر اور بھی زبردست منفی اثر ڈال رہے ہیں۔ ان تمام باتوں کے نتیجے میں مغربی جرمنی کے اجارہ دار سرمایہ دار مختلف حیلوں بہانوں سے ٹیکسوں میں اضافے اور اجرتوں میں کمی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس طرح ملک کی بگڑتی ہوئی معیشت کا بوجھ نت نئے ہتھکنڈے اختیار کر کے محنت کش عوام کے کاندھوں پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ معیشت کو بچانے کے ان عوام دشمن حربوں کی بنا پر مغربی جرمنی میں طبقاتی تضادات تیزی کے ساتھ ابھر رہے ہیں۔ عوامی قوتیں مضبوط ہو رہی ہیں اور گرتی ہوئی معیشت کے ساتھ ساتھ مغربی جرمنی کے اجارہ دار سرمایہ دارانہ نظام کی دیواریں بھی گر رہی ہیں جن کو یورپ کا موجودہ مالیاتی بحران اور تیزی کے ساتھ کھوکھلا کر رہا ہے۔ یہ حالت مغربی یورپ کے اس سرمایہ دار ملک کی ہے جس کی معیشت کافی مستحکم سمجھی جاتی ہے۔

اب آیئے فرانس پر جو ابھی حال ہی میں موجودہ تاریخ کے سب سے بڑے معاشی بحران سے دوچار ہو چکا ہے۔ فرانس گزشتہ چند سال سے اس کوشش میں مصروف تھا کہ ڈالر کی بالادستی کا طلسم توڑ کر مغربی دنیا کی تجارت پر فرانک کا سکہ گاڑ دے۔ مگر برا ہو سرمایہ دارانہ نظام سے وابستہ لازمی خرابیوں کا جنہوں نے فرانس کی معیشت کو پنپنے نہ دیا اور ڈالر کی ساکھ ختم کرنا تو رہا ایک طرف خود فرانک کی قیمت کے لالے پڑ گئے۔ فرانس کی معاشی حالت بھی مغربی یورپ کے بڑے سرمایہ دار ملکوں کی معاشی حالت سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ سنہ ۱۹۵۹ء سے بعد سے ابتک کے عرصے میں سنہ ۱۹۶۷ء میں صنعتی پیداوار قلیل ترین رہی۔ یہاں بھی سرمایہ دار طبقے نے وہی طریقے اختیار کئے جو برطانیہ اور مغربی جرمنی میں اختیار کئے گئے تھے اور یہاں بھی اس کے نتائج ویسے ہی برآمد ہوئے یعنی بیروزگاری اتنی بڑھی کہ گزشتہ بیس سال میں کبھی اتنی نہ تھی سنہ ۱۹۶۳ء کے بعد جب فرانس نے اپنے سکے کی قیمت میں کمی کی تھی، اشیائے صرف کی قیمتوں میں سب سے زیادہ اضافہ ہوا۔ سنہ ۶۷ء کے مقابلے میں سنہ ۶۸ء میں موٹر سازی کی صنعت میں ۲٪ کمی رہی۔ فولاد کی صنعت پر مسلسل چار سال تک جمود طاری رہا۔ صنعتی انحطاط کے اثرات سے بچنے کی غرض سے فرانس کی حکومت نے جنوری سنہ ۶۷ء میں ۳ ارب فرانک صنعتوں میں لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔ حالانکہ پیداوار میں کمی کا اصل سبب سرمائے کی کمی نہیں بلکہ محنت کش ملکی صارفین کی قوت خرید میں کمی اور بین الاقوامی تجارت میں زبردست مقابلہ تھا۔ اعداد و شمار یہ بتاتے ہیں کہ سنہ ۱۹۶۵ء اور سنہ ۱۹۶۶ء کے مقابلے میں سنہ ۶۷ء میں اشیائے صرف کی فروخت سب سے کم ہوئی۔

بین الاقوامی تجارت میں فرانس کو اور بھی نازک صورتحال کا سامنا کرنا پڑا ہے ۱۹۶۷ء کے دوران میں "فرانک کے علاقے" سے باہر کے ان ممالک سے، جن سے تجارت پر فرانس کی معیشت کا دار و مدار ہے، فرانس کی ادائیگیوں کے توازن میں ۵ ارب ۲۰ کروڑ فرانک کا خسارہ تھا جو سنہ ۱۹۶۶ء کے مقابلے میں ستر کروڑ فرانک زیادہ تھا۔ اس کے بعد پاؤنڈ کی قیمت کم ہو جانے پر فرانس کو بین الاقوامی تجارت میں اور بھی جان لیوا مقابلے کا سامنا کرنا پڑا اور پھر ڈالر کو بچانے کی کوشش میں امریکی اقدامات نے اپنے دوسرے حلیفوں کے ساتھ ساتھ فرانس کی بھی کمر توڑ کر رکھدی۔

ان حالات میں فرانسیسی اجارہ دار حکومت کی جانب سے سرمایہ کاری کے ذریعے پیداوار میں ابھار لانا چاہتے ہیں۔ اس طریقے سے فائدہ تو ابتک کچھ بھی نہ ہوا الٹا فرانسیسی بجٹ کے خسارے میں اور اضافہ ہو گیا سنہ ۱۹۶۷ء میں فرانس کے بجٹ میں ۱ ارب بیس کروڑ فرانک کا خسارہ تھا۔ ان سب باتوں نے مل کر فرانسیسی اجارہ داروں کو مستقبل کی طرف سے فکرمند کر دیا ہے اور وہ دلدل میں پھنسے ہوئے ہاتھی کی طرح جتنا زور باہر نکلنے کیلئے لگا رہے ہیں سرمایہ داری کی دلدل میں اتنا ہی زیادہ دھنستے چلے جا رہے ہیں۔

برطانیہ، فرانس اور مغربی جرمنی کے علاوہ یورپ کے دوسرے سرمایہ دار ملکوں میں بھی صورتحال کم و بیش یکساں ہے۔ قیمتیں بڑھ رہی ہیں، بیروزگاری بڑھ رہی ہے اور افراط زر میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان حالات میں جبکہ یہ تمام ممالک اندرونی مالیاتی خلفشار اور کساد بازاری میں مبتلا ہیں، بڑی طاقتوں کے درمیان بین الاقوامی منڈیوں کی چھین جھپٹ جاری ہے۔ ہر بڑا سامراجی ملک دوسرے سرمایہ دار سامراجی ملکوں کی معیشت کا دیوالہ نکال کر اپنی معیشت کو استحکام اور فروغ دینا چاہتا ہے۔ اپنے سکے کو دوسرے سکوں پر حاوی کرنا چاہتا ہے، بین الاقوامی مالیاتی نظام میں اپنا سکہ گاڑنا چاہتا ہے

فرانک کی ساکھ گرنے کے بعد فی الحال ڈالر کی پوزیشن بظاہر مضبوط ہے اور اس کا سب سے بڑا حریف مغربی جرمنی کا مارک ہے۔ اس وقت سرمایہ دار دنیا کے سکوں میں سب سے زیادہ مستحکم پوزیشن مارک ہی کی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ڈالر نے اپنے اس طاقتور حریف کو خود ہی جنم دیا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سرمایہ دارانہ نظام پرولتاری طبقے کی شکل میں اپنے گورکن خود پیدا کرتا ہے دوسری عالمی جنگ کے بعد امریکہ، برطانیہ اور فرانس نے مغربی جرمنی کو بے پناہ امداد دی تاکہ وہ مشرقی جرمنی کے مقابلے میں زیادہ طاقتور اور ترقی یافتہ نظر آسکے۔ امریکہ نے تو مغربی جرمنی کے تقریباً پورے دفاعی بجٹ کی مدتوں خود کفالت کی۔ دفاعی اخراجات سے بے فکر ہو جانیکے نتیجے میں مغربی جرمنی کو صنعتی و معاشی میدانوں میں ترقی کے کھلے مواقع حاصل ہوئے جن سے اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور آخر کار فرانک پاؤنڈ اور ڈالر سب کیلئے اپنے مارک کو ایک خطرہ بنا دیا۔ ڈیوش مارک کا قوی ہیکل دیو فرنیکن اسٹائن بنکر

خوں بہا

اٹھا ہے درد کا طوفاں بڑھے ہیں دیوانے
جگر میں رکھ لیے نشتر ہر آبلہ پا نے
قریب تر ہوئے سب لوگ چوٹ کھائے ہوئے
لہو لہو ہیں مگر سنگ ہیں اٹھائے ہوئے
دلوں کے بڑھتے ہوئے فاصلے سمٹ آئے
بجھی نگاہوں میں رخشندہ خواب لہرائے



سب ایک خنجرِ ظلم و جفا کے کشتہ ہیں
سب ایک تابشِ تیغِ ستم کے گھائل ہیں
جنوں کی راہ میں دیوانگی ہے شرط فقط
کسی کو آج کسی سے بھی احتراز نہیں
وہ موسم آیا کہ آئینہ کر گیا سب کو
وہ رت چلی کہ کسی دل میں کوئی راز نہیں



تمام شہر کے سر پر بس ایک دھن ہے سوار
کہ بڑھتے جائیں گے یہ پرچم وفا لے کر
کہ اب ٹلیں گے یہ قاتل سے خوں بہا لے کر



فارغ بخاری

اُڑان

نوچ کر بال و پرِ عزائم کے
کنجِ نکبت میں معتکف ہے حیات
صبح کے نو رنگ عارض پر
یک قلم چھا گئی اندھیری رات



بجھ گئے بزمِ آرزو کے کنول
شیشۂ دل نواز چھوٹ گیا
سازِ فطرت میں آ گئی ہے شکست
زخمۂ اہلِ فکر ٹوٹ گیا



عزم میرا جوانِ ہمت ہے
تند ریلے میں ڈھل کے آیا ہے
موج و گرداب اس کا گہوارہ
یہ نہنگوں میں پل کے آیا ہے



مری پرواز میں وہ شکتی ہے
توڑ دے جو کمان ارجن کی
تختِ زریں الٹ دے اک پل میں
چھین لے تیغ گیو و بہمن کی



رضا ہمدانی

رضیہ سجاد ظہیر

نیم کا پیڑ

"واہ یہ گلابی رنگ کی پڑیا تو میں نے منگوائی تھی الطاف نانا، تم بھول گئے یہ تو میری ہے۔ ہُنک ہُنک" — میں نے مچلتے ہوئے کہا۔

مجھے یقین تھا کہ میں گھر کی سب سے چھوٹی اور، پردیس میں بیاہی ہوئی بیٹی، کی لاڈلی اولاد ہوں، الطاف نانا ضرور ہی دب جائیں گے، مگر توبہ کیجئے وہ ہرگز نہ دبے، لال پیلی آنکھیں کرکے زور سے کڑکے "ہاں ہاں، پچاس برس سے دنیا کا سودا لا رہا ہوں، کسی کی کوئی چیز کبھی نہ بھولا۔ تیری پڑیا بھول گیا۔ چھنگلیا بھر کی لونڈیا، مجھ کو چلا دے ہے؟ تو نے تو نیلی پڑیا منگائی تھی نہ — گلابی اس کی ہے بھگنا کی لونڈیا کی — اور اوپر سے لسٹوے بہار ہی ہے گی، چل ہٹ پرے کو، — کہ دوں ایک ریپٹ"

میں نے چپکے سے کھسک جانے ہی میں خیریت سمجھی — دراصل میں نے تو نیلی ہی پڑیا منگائی تھی مگر الطاف نانا کے گریبان میں لگے ہوئے چاندی کے بٹنوں میں جھولتی ہوئی کئی عدد رنگین پڑیوں میں اس وقت سب سے اچھا رنگ گلابی لگ رہا تھا اس لئے ذرا نیت بدل گئی تھی!

میں نے جانے کو پیٹھ موڑی ہی تھی کہ الطاف نانا بولے "لے اپنا دھیلا تو لیتی جا، تو نے پیسہ دیا تھا نہ — پھر میں بھگنا کی طرف جا رہا ہوں"

میرے دل میں کھلبلی مچ گئی، ڈرتے ڈرتے بولی "الطاف نانا، میں بھی بھگنا کے یہاں چلوں۔" انہوں نے ایک بار مجھے اوپر سے نیچے تک گھورا، پھر بولے "اچھا چل۔ جوتی تو پہن یا۔"

دو چار منٹ بعد میں اور الطاف نانا ڈیوڑھی سے نکلے اور کھیتوں سے ہوتے ہوئے بازار کی طرف چل پڑے۔ الطاف نانا کا قد چلنے میں کسی قدر جھک جاتا تھا۔ آخر عمر بھی تو تھی اسی کے قریب۔ سیاہ رنگ کی بہت پرانی شیروانی، کتھئی رنگ کی رامپوری ٹوپی، پاؤں میں چرر دھا جوتا جو چلنے میں اتنا چرمر کر رہا تھا کہ مجھکو ہنسی آنے لگی۔

"کیوں ہنسے ہے؟" انہوں نے پوچھا

مجھے ان کی تازی تازی ڈانٹ یاد تھی، رُک رُک کے بولی "وہ — وہ — تمہارا جوتا ——"

وہ ہنسنے لگے "اچھا ... ہاں دیکھ لے، گے اس کمبخت نے بنایا ہے، ارے وہ جو اس کا لونڈا ہے نہ شبراتی کا — آتے جاتے رستہ گھیرے تھا کہ میر صاحب، ایک جوڑا بنوالو، میرے یہاں کھانے کو، نہ ہے تو دیکھ — کیا بنا کے دیا ہے گا — اب نہ جانے کتا دی ملنا پڑے گا اس میں نہ تو یوں ہی بینڈ بجا دے گا گج جوتا"

اتنے میں تحصیل کا چھوٹا سا ہسپتال آگیا۔ کمپاؤنڈر نے دور ہی سے الطاف نانا کو دیکھ کر سلام کیا، انہوں نے ایک جیب میں سے دوا کی شیشی نکالی، دوسری میں سے پیسے نکالے، ہتیلی پر رکھ کر گنے ٹوپی اتار کے اس میں سے نسخہ نکالا۔ اور تینوں چیزیں کمپاؤنڈر کو دیدیں، وہ نسخہ دیکھ کر بولا "اجی میر صاحب، گے تو صرف کونین کا نخسہ ہے گا۔"

"ہاں ہاں — تو وہی دے دے بھیئے — کمبخت کھیرے ککوسیں ہیں، بھوٹیں تھوڑیں ہیں، فصلی بخار نہ ہووے گا تو اور کیا ہووے گا۔"

کمپاؤنڈر ایک بڑی سی بوتل میں سے لال مکسچر شیشی میں انڈیل کر اس پر خوراک لگانے لگا۔ میں اور الطاف نانا ایک لکڑی کی بنچ پر بیٹھ گئے، پھر انہوں نے ایک طرف کو ذرا سا ٹیڑھے ہو کر جیب میں سے پانوں کی ڈبیہ اور تمباکو چھالیہ کا بٹوہ نکالا، مراد آبادی ڈبیہ تھی جس کی قلعی اتر کے کہیں کہیں سے پیتل نکل آیا تھا اور اوپر کھدا ہوا تھا

مجھ کو منہ سے لگائیے صاحب

پان حاضر ہیں کھائیے صاحب

ڈبیہ میں سے دو ٹکڑے نکال کر منہ میں رکھنے کے بعد وہ تمباکو ڈلی پھانک ہی رہے تھے کہ کمپاؤنڈر نے دوا تیار کردی، ہم دونوں جیسے ہی باہر نکلے ایک جوان تنومند بنکر اینڈتا ہوا سامنے سے آیا، سرخ کھارو ے کی تہہ بند، باریک ململ کا کرتا، گلے میں سیاہ بٹے ہوئے دھاگے میں پڑی ہوئی سونے سے مڑھی تعویذ، ننگے پاؤں!

"اجی سلام میر صاحب"

الطاف نانا نے اپنے دبلے پتلے ہاتھ سے اس کا چوڑا سینہ تھپتھپایا "اُبے سلام اللہ دیئے۔ ابھی تک ململ پہنے پھر رہا ہے بے۔ مرے گا کیا نمونیہ ہو کے۔"

"اجی آپ کی دعا سے چار سو ڈنڑ روز پیلوں ہوں" — اور گے کیا لے جا رئے ہو میر صاحب؟ شربت انار دکھے ہے"

"ہاں بے، شربت انار ہے، وہ محمدو کے پوت کو بخار آرہا ہے نہ — لے

تو چکھے گا؟"

"اجی ہاں، لیئو، چکھیؤ ذرا سا۔" اس نے اپنی چوڑی چکلی ہتیلی پھیلادی، جو سوت رنگتے رنگتے بالکل نیلی اور کالی پڑ گئی تھی الطاف نانانے ہتیلی کا گڑھا کونین مکسچر سے بھر دیا جسے اس نے ایک ہی بار میں سڑپ لیا اور پھر جو تھوکنا اور ناچنا شروع کیا ہے۔ "اجی واہ میر صاحب، اجی گے کب کا بیر نکالا ہے تم نے میرے ساتھ میں، اجی ایمان سے، آنتیں تک کڑوی ہو گئیں ہے ہے۔"

قہقہوں سے الطاف نانا کا لمبا، پتلا دبلا جسم بید کی طرح لچکنے لگا، پھر انہوں نے اپنی جیب سے ایک پڑیا نکالی اور اللہ دیئے کو دو چار گڑ کی ریوڑیاں دیتے ہوئے بولے "لے، گے محمدو کی لونڈیا کے لئے لی تھیں سو دو چار تیری قسمت کی تھیں۔ لے کھا"

وہ ریوڑیاں کھاتا ہوا ہم لوگوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولا "اجی میر صاحب پھر تم کچھ بولے ناکہ گواہی دو گے کہ نہ دینے کے ہو — وہ فقیرا پھر پوچھ رہا تھا۔"

"ابے میں تو تم لوگوں سے پہلے ہی کہے چکا ہوں کہ جتنا میں نے دیکھا تھا بس وتنا میں کہے دوں گا اور فقیرا گے چاہئے کہ میں جھوٹ بولوں تو وہ اپنی قبر میں جاوے گا، میں اپنی قبر میں جاؤں گا۔"

"اجی تو پھر گے تو بڑی مشکل ہے۔"

"تو سو کی سیدھی ایک بات ہے کہ صلح کیوں نہ کر لیتے، صلح کے لئے اگر کہو تو میں البتے دس دفعہ بیچ میں پڑ سکوں ہوں، کیوں خوامخواہ کو وکیلوں کو اپنی محنت کی کوڑی کھلاؤ ہو — ایں"؟

"کہہ دیکھوں گا۔ میر صاحب، پر وہ فقیرا ہے بڑا اَٹن والا۔"

"ابے کہہ کے تو دیکھ، میں ذاکری بُوبُو سے بھی کہوں گا اس کو بلوا کے سمجھا دیں گی، ان کو ذرا مانے ہے۔"

"اجی ہم بھی گے ہی چاہیں ہیں کہ سدھائی سے ٹھیک ٹھاک ہو جاوے معاملہ، بات میں بات بڑھ گئی، سمجھو نہ تو دو چار گنّوں کا معاملہ تھا، کوئی دلّی کی سلطنت نہ بٹ رئی تھی — اچھا سلام میر صاحب۔"

وہ دوسری گلی میں مڑ گیا اور ہم لوگ محمدو کے گھر کی طرف چلے، الطاف نانا ڈیوڑھی میں کھڑے ہو کر کھنکارے، اندر سے کراہنے کی آواز آئی جیسے کوئی بیمار ہو، پھر سُرخ چوڑیاں اور چاندی کے کڑے پہنے ہوئے ایک ہاتھ نے دروازہ ذرا سا کھولا اور اس دراز میں سے ایک مہین سی آواز آئی "سلام الطاف نانا۔"

"جیتی رہ بیٹی، گے دوا لے آیا ہوں، لونڈے کا بخار اترا؟"

"ابھی تو نہ اترا نانا، اور گے خط آیا ہے۔"

الطاف نانا نے بغیر نظر اٹھائے، کیواڑ کی دراز میں سے میلا پوسٹ کارڈ گھسیٹ لیا۔ اندر کی جیب سے عینک نکال کے لگائی اور خط سنانے لگے:۔

"از کلکتہ، از طرف محمدو، سب بڑوں کو سلام، چھوٹوں کو دعا، دیگر احوال یہ ہے کہ خیریت سے رہ کر تمہاری سب کی خیریت نیک مطلوب چاہوں ہوں۔ تمہارا خط آئے دسیوں ہی دن ہو گئے، پر مجھے یہاں ایک بیماری ہو گئی تھی جسے بیری بیری کہیں ہیں، نوکری بھی جاتی رہی، بڑے امام باڑے میں جاکے دعا مانگیو کہ نوکری پھر سے بحال ہو جاوے اور الطاف نانا کو سلام کہیو، میں تو تجھ سے پہلے ہی کہوں تھا کہ وہ نیم کا پیڑ ہیں کہ جنے کیا کیا فیض دنیا اُن سے پا دے ہے، ان کی بڑی غربا پروری جو وہ اتنا خیال کریں ہیں۔ اور لطیفن آپا سے کہیو کہ فخرن کا چھوٹا لونڈا یہاں ہے، سو گھبرانے ڈھونڈنے کی ضرورت نہ ہے، وہ یہاں پہنچ گیا ہے ... اور خط کو تار سمجھ کے جلدی جواب دیجیو اور تھوڑے لکھے کو بہت سمجھیو۔"

خط ختم کر کے الطاف نانا نے دوا کی شیشی مجھے دی "لے اندر دے دے اور کہہ دے تین تین گھنٹے بعد پلا دے گی اور سابو دانہ پانی میں پکا کے کھلا دے گی۔ "لے سابو دانے کی پڑیا۔ میں کل پھر آؤں گا۔ منڈی جاتے وقت۔" میں نے اندر ایک قدم رکھا اور شرماتے ہوئے دوا کی شیشی بڑھائی۔ محمدو کی بہو نے دوپٹہ سر سے پیچھے کھسکایا، ہنسی کی سیاہی میں دانتوں کی چمک کا کوندا سا تڑپا۔ اس نے میرا ایک ہاتھ پکڑا "آ دُلہن بی۔"

میں اڑیل گھوڑے کی طرح دونوں ایڑیاں زمین پر جماکے دوہری ہو گئی اور ٹھُنکنے لگی۔ باہر سے الطاف نانا بولے "چل چل آ — نہ رکتی تو آ —"

میں ہاتھ چھڑا کر باہر بھاگ گئی۔ دوسری گلی کے نکڑ پر دو تین چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں، الطاف نانا ایک دکان کے پاس جاکر ٹھہرے جو پان کی تھی، بڑا سا آئینہ جو ایک کنارے سے چٹخا ہوا تھا، پرانا اور دھندلا سا لگتا تھا، اور اس کے اوپر لگی ہوئی موتیوں کی جھالر کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھی، ایک سرے پر گیس کی لالٹین ٹنگی تھی۔

الطاف نانا نے ایک بار زور سے آواز دی "ابے او مجو" — پھر ذرا دھیرے بولے "ابے کہاں ہے؟ پھر چل دیا جوا کھیلنے؟"

دکان کے تختے کے نیچے سے ایک نوجوان نکل کر الطاف نانا کے پیروں سے لپٹ گیا۔ وہ چیخنے لگے۔ "ابے ہیں ہیں، ابے جلنے کہاں کے گندے گندے ہاتھ میرے کپڑوں میں لگا رہا ہے، میری نماز بھی گئی، توبہ ہے، توبہ ہے، ابے کہاں تھا؟ پھر نکل لیا۔؟"

اجی میر صاحب، اب تو سات بار مر کے بھی پیدا ہوں تو جوا کھیلنے کا ہوں، اجی تمہارا ہی دم تھا جو مجھے پولیس کے ہاتھوں سے چھڑا لائے۔ اب تو اچھی خاصی آمدن ہو جاوے ہے پان کی دکان سے ۔ آؤ پان کھاتے جاؤ"

وہ لپک کے دکان پر چڑھ گیا اور پانوں کے ڈھیر میں سے دو اچھے اچھے پان چھانٹ کر ان پر چونا گھستے ہوئے، ذرا مدہم آواز میں بولا — "اجی میر صاحب، تم نے سُنا؟ وہ مہرن اب کے پھر نہ آئی اپنے میاں کے ساتھ۔"

"کیوں؟ کیا کہے ہے؟"

مجو پان الطاف نانا کو تھماتے ہوئے ہاتھ جھاڑ کے بولا "اب کہے کی تو خبر نہ ہے، پر یوں سُنیں ہیں کہ اپنے میکے میں پھنسی ہے گی کسی کے ساتھ

اس کے سسرال والے گے ہی کہیں ہیں۔"

یا تو الطاف نانا پان مزے میں منہ میں رکھکر اُسے اُنگلی سے اور اندر دھکیل رہے تھے، یا ایک دم سے ان کا چہرہ غصّے سے لال ہو گیا "شرم نہ آئی ہُرن کے سُسرال والوں کو، ایک تو دمڑوں کی بیٹی لا کے اُسے کھانے کپڑے کی تکلیف دیویں اور جب وہ اپنے میکے بھاگ جاوے تو اس پہ الزام لگا دیں کہ یہاں پھنسی ہے، ہواں پھنسی ہے۔"

مجو کچھ شرمندہ ہو کے بولا "اجی ہاں، گے تو سچ کہو ہو میر صاحب، وہ حمید کی ماں ایک ظالم ہے، ظالم"!

"وہ تو ظالم ہے، پر تم، محلے والوں کو کیا سانپ سونگھ گیا ہے، جو بیچ میں نہ بولتے؟"

"تو میر صاحب، بھلا ہماری کون سنیں ہیں لوگ؟"

کہوُ جب تو کوئی سُنے گا۔ ہماری کیسے سنیں ہیں لوگ"

"اجی تمہاری اور بات ہے۔ تم بُزرگ ہو۔ تم تو جو کے دیو ہو وہ پتھر کی لکیر ہو وے ہے، میر صاحب۔"

الطاف نانا نے پیک تھوکی "وہ پتھر کی لکیر اس لئے ہو وے ہے کہ وہ سچ ہو وے ہے۔ سمجھا۔"

پھر وہ چلنے کو مڑے اور یکایک رُک کے بولے "لے دیکھ، بھولا ہی جا رہا ہوں، تو ادھر جاوے گا پھگتا کی طرف؟"

"جانا تو نہ ہے، پر تم، کہوَ، چلا جاؤں گا، حکم کرو۔"

"تو لے، گے گلابی پڑیا اس کی لونڈیا نے منگائی تھی، اُسے دے دیجیو اور گے اس کا ایک دھیلا۔ اور گے بنفشے کی پڑیا زلفن کی ہے اور گے اردو کی پہلی کتاب مشتاق کے لونڈے کی ہے اور شرفو سے کہہ دیجیو کہ ابھی اٹاری والوں نے کچھ جواب نہ دیا ہے، ویسے میں نے لڑکی کے باپ کو سمجھا دیا ہے کہ لونڈیا کا کر دوگے تو خوش رہے گی، جانا پوچھا، چار پیسے کمانے والا مزدور ہے لڑکا، پھر دین ایمان والا، روزے نماز کا پابند، بیڑی سگرٹ نہ پیتا، میں خود جاتا پر مجھے شبرات کے لئے کچھ سودا خرید نا ہے — تو کہہ دیجیو، ہاں۔"

"اجی ہاں ہاں، کے دوں گا، نِشا خاطر رہو۔ میر صاحب"

میں اور الطاف نانا منڈی والے بازار کی طرف مڑ گئے جہاں سے ان کو سوجی، میدہ، چینی میوہ اور نہ جانے کیا کیا خرید نا تھا۔

اگلے دن شبرات تھی، صحن میں نانی برتن مانجھ رہی تھیں، دالان میں بڑی خالہ چراغوں کے لئے بتیاں بنا رہی تھیں، صفدری ممانی اور بنو آپا میوہ صاف کرنے میں جٹی تھیں اور ذاکری نانی نہا دھو کر، ماتھے پر گیلے بالوں کا جوڑا باندھے، گھی، میدہ، سوجی تول تول کر سینیوں لگنوں میں رکھ رہی تھیں۔

یکایک مسجد کی طرف سے اذان کی آواز آنے لگی۔ الطاف نانا کی آواز کتنی صاف، کس قدر تیز، کیسی پاٹ دار آواز! میں آنگن میں، نوری نائن کی لڑکی مقصودی کے پاس پھسکڑا مارے بیٹھی، پٹاخوں اور پھلجھڑیوں کے بارے میں کچھ تبادلۂ خیالات کر رہی تھی۔ ایک دم ہم دونوں آواز سُنکر سناٹے میں رہ گئے۔

مقصودی بولی "بی بی، الطاف نانا کی اذان تو ہمارے گھر تک سنائی دیوے ہے۔"

اور اس کا گھر ہمارے ننھیال سے کم از کم میل بھر کے فاصلے پر تھا۔ اذان کے ختم ہوتے ہی کھلبلی مچ گئی!

ذاکری نانی نے چیخنا شروع کیا "ہے ہے، لو عصر کی اذان ہو گئی اور اب تک چولہے میں آگ نہ جلی، آخر کب حلوہ بنے گا، کب چپاتیاں پکیں گی، نذر کس وخت ہو وے گی؟ یہ فہیمن اللہ ماری جنے کون سے دلیس لوبان لینے گئی ہے! ہوئیں گھسی ہو گی مردوے کی بغل میں! ادھر اخصم کیا جُڑا ہے کہ اپنی اوقات بھول گئی۔ خدا اگنجے کو ناخون نہ دے کہ اپنی گنج کھجا وے ہے۔"

صفدری ممانی دالان میں سے چیخیں "اے، وہ عمار کی لونڈیا کو دیکھو، وہ حضرت بیوی کی نذر والی ڈھکنی میں مٹی جما کے کیک بنا رہی ہے گی، ان ناوؤں کو دیکھو، اللہ ماریوں نے آنگن بھر میں برتن پھیلائے ہیں — ہے غضب، اے دوڑیو بنو، لیجیو ذرا وہ ڈھکنی۔"

بنو آپا دوڑیں تو منے بھیا کے چھوٹے لڑکے نے ان کی صاف کی ہوئی کشمش پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا، پھر نہ جانے کس نے سوجی میں مٹھی بھر شکر ملا دی اور اسی گڑبڑ میں کسی نے پٹاخہ چھوڑ دیا! پھر کیا تھا — ہم سب لڑکیاں ایک قطار سے پاخانے کے آگے کھڑے کر دئے گئے۔ "کھڑی رہو کمبختو، چلمک دیدہ، ہر چیز کو چھونا فرض ہے، غضب خدا کا نذر نیاز ہوئی نہیں اور پٹاخے چھوڑنے بیٹھ گئیں۔ نہ تمیز نہ سلیقہ، یاد گار ہی بنائے لیں ہیں سب کو، آئے حواس کھوئے دیں ہیں، آخور اللہ ماریاں کھڑی رہو۔" — ہم لوگوں کو کھڑے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ اتنے میں الطاف نانا کھنکارتے ہوئے ڈیوڑھی میں داخل ہوئے۔ ہم لوگوں کو دیکھکر مسکرا کے بولے "گے بھنگنیں کاں سے آئی ہیں اتنی بہت سی۔"

میری اماں دوپٹہ منہ پر رکھکر ہنسنے لگیں، ان کا ہنسنا تھا کہ میں نے دھاڑنا شروع کیا، اور پھر سب لڑکیاں میرا ساتھ دینے لگیں، الطاف نانا پگھل گئے۔

اری اری روؤ کیوں ہو، چلو جتے ہیاں کام کاج ہو ریا ہے، میں تمہیں میلا دکھا لاؤں۔"

بنو آپا باورچی خانے میں سے بولیں "ہاں ہاں، الطاف ماموں اللہ تمہارا بھلا کرے، لے جاؤ ان مُدمُد بچھڑوں کو، اللہ ماریوں نے نتھنوں میں دم کر دیا، دو چار کو ڈبو دیا نا سنگھاڑے والے تالاب میں۔"

قہقہوں سے الطاف نانا کا دُبلا پتلا لمبا جسم بید کی طرح لچکنے لگا۔ پھر آگے آگے الطاف نانا اور پیچھے پیچھے ہم سات آٹھ لڑکیوں کی قطار۔ شبرات کی نئی نئی رنگی ہوئی، چھوٹا مگر خوب جھلملاتا ہوا گوٹا لگی دوپٹیاں اوڑھے، ننھے ننھے بٹوؤں میں، چوڑیاں پہننے کیلئے پیسے سنبھالے، چمکدار

سلیپریں سٹر پٹر کرتے۔ رستے میں گھنا آموں کا باغ تھا جس میں نہ جانے کس وقت کے کچھ کھنڈر تھے، دو تین بڑے بڑے کھیت اور سنگھاڑوں کا تالاب پڑتا تھا۔ ان سب سے گزر کر منڈی پہنچے، وہاں چوڑیاں پہنیں، ریوڑیاں بتاشے اور چورن کھایا، سونٹھ کا پانی پیا، چرخ چوں میں بیٹھے، جادو اور سانپ کا تماشہ دیکھا۔ الطاف نانا وہیں کی مسجد میں نماز پڑھنے چلے گئے، ہم لوگوں کو اللہ دیا اپنے گھر لے گیا، وہاں تازہ تازہ گڑ اور بیسن کی چٹ پٹی پھلکیاں کھلائیں، اتنے میں الطاف نانا آگئے، "چلو ری چلو، اندھیرا ہو گیا۔"

ہم لوگ، چنے پرمل، سنگھاڑے دوپٹوں میں لئے، ہنستے بولتے چلے جا رہے تھے، الطاف نانا قصہ سنا رہے تھے، کہ ایک بار ان کے دادا نے جنوں کو قبضے میں کرنے کے لئے چلہ کھینچا تھا تو کیا کیا ہوا تھا، یکایک بنو آپا کی لڑکی ننھی بولی "الطاف نانا، الطاف نانا — وہ دیکھیو، کیا چمک رہا ہے؟ جنات کے دیدے۔"

الطاف نانا کڑک کے "دوں گا ایک ریپٹ، جنات کی بچی، خواہ مخواہ ڈر رہی ہے۔"

لیکن ننھی کا خیال غلط نہیں تھا، ہم لوگ آموں کے گھنے باغ کے پاس تھے، منڈی کافی پیچھے چھوٹ چکی تھی، گھر ابھی میل بھر سے بھی دور تھا اور باغ کے کھنڈروں کی آڑ سے تین چار بھیڑیئے ہم لوگوں کی طرف آ رہے تھے، الطاف نانا دھیمے سے بولے "جنات نہ ہیں، گے تو بھیڑیے ہیں بھیڑیے" — وہ ایک دو پل اسی طرح ساکت کھڑے رہے پھر جلدی سے بولے "لاؤ، اپنی اپنی دوپٹیاں اتار کے دو — اور دیکھیو گھبرائیو مت، ایک دوسرے کو پکڑے رہو اور مجھے تھامے رہو۔"

ہم سب نے دوپٹیاں اتار کے فوراً ان کے حوالے کر دیں!

انہوں نے فوراً دوپٹیاں باندھ کر ایک لمبا رسہ سا بنایا اور اس کے آخر میں ایک بڑا سا پتھر باندھا — اب بھیڑیئے کچھ اور آگے بڑھ آئے تھے الطاف نانا نے لنگر کا ایک سرا پکڑا اور زور سے نعرہ لگایا "یا علی مدد، یا حیدر صفدر، فاتح خیبر" اور انہوں نے لنگر کو گھمانا شروع کیا۔ اور گھماتے ہوئے وہ زور سے آواز لگانے لگے "ہو وو — لولولولو — ہو وُو —"

ڈر کے مارے ہم لوگوں پر ایسا سکتہ طاری تھا کہ رونا بھی بھول گئے تھے، سب ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے، الطاف نانا کو لپٹے تھے!

چوتھی مرتبہ آواز لگانے کے بعد الطاف نانا کی آواز کی گونج کے ساتھ ایک اور گونج سنائی دی — "دوڑیو — پہنچیو —"

ادھر سے الطاف نانا نے پھر آواز دی "ہو وو — لولولولو — ہو وُو — ہو وُو —" پھر ایسی آہٹ آنے لگی جیسے دور کہیں بہت سے لوگ ایک ساتھ دوڑ رہے ہیں اور آوازیں بھی رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی ہیں "آ گئے ے ے ے — پہنچیو — دوڑیو —" منڈی کے بنکروں کا ایک جتھا ڈنڈے سنبھالے تیزی سے دوڑتا ہوا ہم لوگوں کے نزدیک ہوتا جا رہا تھا۔ الطاف نانا برابر لنگر گھمائے جا رہے تھے۔!

"اجی، میں تو ویسے ہی روٹی کھانے بیٹھا تھا" اللہ دیا ہانپتا ہوا بولا، "تمہاری بہو روٹی رکھ کے بس گوشت نکالے تھی کہ میں نے کہا گے تو میر صاحب کی آواز لگے ہے، اتنی ساری لونڈیاں ساتھ ہیں، جنے کیا آفت لوٹی۔"

فضلو نے اپنا ڈنڈا زمین پر بجایا "تیری قسم، اللہ دئیے، میں تو کھڈی میں تھا، ہوئیں سے بھاگا — چلو نانی پوچھتی کی پوچھتی ہی رہ گئیں، کہ خیر تو ہے، بھتیے کیا ہوا، ارے کیا ہوا، پر میں تو جو بیتہ توڑ کے بھاگا ہوں —" فخرو نے انگوچھے سے پسینہ پونچھا "اجی، اللہ نے بڑا فضل کیا نہ تو بھیڑیے بھلا، بیڑہ غرق ہو سالوں کا۔"

الطاف نانا کا سارا جسم پسینے سے تر تھا، سانس سینے میں نہیں سما رہی تھی لیکن وہ بالکل خاموش تھے جیسے ان کا جو فرض تھا، وہ انہوں نے ادا کر دیا۔ اب زیادہ کہنے سننے کی ضرورت کیا تھی اللہ دئیے نے لنگر کھولا، سب کی دوپٹیاں الگ الگ کیں، جگہ جگہ سے چری ہوئیں گوٹے لچکے کا تو پوچھنا ہی کیا تھا، تار تار بکھر گئے تھے۔؟

گھر پہنچے تو شبرات کی نذر ہو رہی تھی، الطاف نانا خاموشی سے جا کر ایک پلنگ پر لیٹ گئے، اور حقہ گڑگڑانے لگے۔ ہم لوگ جلدی جلدی ایک ایک کو قصہ سنا رہے تھے، بنو آپا گھبرا کے بولیں "الطاف ماموں، گے لونڈیئیں کیا سچ کہہ رہی ہیں۔"

الطاف نانا نے اسی طرح لیٹے لیٹے جواب دیا "سچ نہ تو کیا جھوٹ کہہ رہی ہیں، آج مری ہی تھیں سب کی سب، پر تم لوگوں کو کیا ہے، جن جن کے ڈھیر لگانے کا کام! پوچھو جب اولاد سنبھلے نہ ہے تو جنو کیوں ہو کمبختو — حلوائی کی دکان دادے کی فاتحہ، اٹھا کے میرے حوالے کر دیا پلٹن کی پلٹن کو — لے جاتا آج ایک آدھ کو بھیڑیا تو اچھا ہوتا۔ لو، اب نذر دلواؤ گی کہ نہ دلوانے کی ہو؟"

اور پھر وہ دوسری طرف مڑ کے بڑی خالہ سے مہمانوں کے کھانے پینے کے بندوبست کی یوں بات کرنے لگے، جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

اور اب جب کبھی مجھے الطاف نانا کی یاد آتی ہے تو میں چاروں طرف دیکھتی ہوں اور میرے دل میں ایک ہی سوال اٹھتا ہے کہ کیا:

ملتے ہیں اب بھی ایسے پراگندہ طبع لوگ؟

شاہد عادل

جماعتِ اسلامی اور دیارِ عرب میں پاکستان کا تعارف

جماعتِ اسلامی کے سربراہوں کے ارض القرآن کے دو سفرناموں کے تقابلی مطالعہ[1] کے دوران ہم نے وعدہ کیا تھا کہ کسی آئندہ صحبت میں ہم ان تفصیلات کو بھی سامنے لانے کی کوشش کریں گے جن سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ جماعتِ اسلامی نے پاکستان اور بانیٔ پاکستان کا دیارِ عرب میں کن الفاظ میں تعارف کرایا ہے۔ ان سطور سے مقصود اسی وعدہ کا ایفا ہے۔

جیسا کہ قارئین طلوع اسلام معلوم کر چکے ہیں جماعتِ اسلامی نے عرب ممالک میں اپنے پروپیگنڈے کے لئے ایک خصوصی ادارہ "دار العروبۃ" کے نام سے قائم کر رکھا ہے۔ یہ ادارہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے عام طور پر مندرجہ ذیل ذرائع سے کام لیتا ہے۔

(۱) جماعتِ اسلامی کی اہم شخصیتوں کی جانب سے دیارِ عرب کے سفر۔

(۲) عربی زبان میں اپنے پروپیگنڈہ لٹریچر کی اشاعت۔ اور

(۳) دنیائے عرب کی اہم شخصیتوں سے نجی خط و کتابت۔

ان میں سے تیسرے ذریعے کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہماری اس تک رسائی ممکن نہیں۔ اس کے بعد ہمارے پاس صرف دو ہی ذرائع باقی رہ جاتے ہیں جن سے ہم آئندہ صفحات میں تفصیلات نقل کریں گے۔ ان تفصیلات سے اس حقیقت کا بھی اندازہ ہو جائے گا کہ نجی خط و کتابت کے ذریعے، جس کے شائع ہونے کا بہت کم امکان ہوتا ہے، کیا کچھ کیا جاتا ہوگا۔

جماعتِ اسلامی اور نظریۂ پاکستان

ان تفصیلات کو پیشِ خدمت کرنے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے متعلق جماعتِ اسلامی کا جو نقطۂ نظر تھا اسے مختصر الفاظ میں خود انہی کی زبانی نقل کر دیا جائے تاکہ اس مضمون کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ علاوہ بریں ہم نے اس کی ضرورت اس لئے بھی محسوس کی ہے کہ آجکل یہ حضرات، عوام کے حافظے کی روایتی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، یہاں تک کہنے لگ گئے ہیں کہ خود نظریۂ پاکستان کا تصور، ان کے امیر، مودودی صاحب نے دیا تھا۔ اب ملاحظہ فرمائیں کہ جس وقت پاکستان کی جنگ اپنے نازک ترین دور میں داخل ہو چکی تھی، یہ حضرات کیا فرماتے تھے۔ امیر جماعتِ اسلامی نے اپنی کتاب مسلمان اور سیاسی کشمکش حصہ سوم میں لکھا تھا

> مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہیں، وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے۔[2]

اس کی مزید تفصیل ملاحظہ ہو۔

> پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومتِ الٰہی قائم ہو جائے گی، ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔ اس کا نام حکومتِ الٰہی رکھنا، اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔[3]

ضمناً آجکل یہ حضرات جو "جمہوریت" کے نعرے لگا رہے ہیں اس کا امیر جماعتِ اسلامی کی مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں جائزہ لیجئے۔

قیامِ پاکستان اور جماعتِ اسلامی

نظریۂ پاکستان کی مخالفت کے باوجود جماعتِ اسلامی کے بعض اراکین یہ سمجھتے تھے کہ اس نازک وقت میں، جبکہ برصغیر کی تقسیم کی بنیاد پر انتخابات لڑے جا رہے تھے (اور جو مسلمانوں کی ملی زندگی کے لئے ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے)، جماعتِ اسلامی سے متعلقین، اور نہیں تو مسلم لیگ سے باہر رہتے ہوئے کم از کم اپنے ووٹ تو اس کے حق میں ڈال دیں۔ اس بارے میں مودودی صاحب کی طرف رجوع کیا گیا اور ان سے براہ راست ایک سوال پوچھا گیا۔ چونکہ یہ سوال اور اس کا جواب اس مسئلہ پر گہری روشنی ڈالتے ہیں اسلئے ہم ان دونوں کو، جماعتِ اسلامی کے رسالہ ترجمان القرآن سے نقل کرتے ہیں:

> سوال:- اس وقت مسلمانانِ ہند دو فتنوں میں مبتلا ہیں۔ اوّل کانگریس کی وطنی تحریک کا فتنہ جو واحد قومیت کے مفروضے اور مغربی ڈیموکریسی کے اصول پر ہندوستان کی اجتماعی زندگی کی تشکیل کرنا چاہتی ہے۔ دوم مسلم نیشنلزم کی تحریک جسے مسلم لیگ چلا رہی ہے اور جس پر ظاہر میں تو اسلام کا لیبل لگا ہوا ہے مگر باطن میں روح اسلامی سراسر مفقود ہے۔ "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کے مطالعہ سے یہ بات ہم پر واضح ہو چکی ہے کہ یہ دونوں تحریکیں اسلام کے خلاف ہیں۔ لیکن حدیث میں آیا ہے کہ انسان جب دو بلاؤں میں مبتلا ہو تو چھوٹی بلا کو قبول کر لے۔ اب کانگریس کی تحریک تو سراسر کفر ہے۔ اس کا ساتھ دینا مسلمانوں کی موت کے مترادف ہے۔ اس کے مقابلے میں لیگ کی تحریک اگرچہ غیر اسلامی ہے لیکن اس سے یہ خطرہ تو نہیں کہ دس کروڑ مسلمانانِ ہند کی قومی ہستی ختم ہو جائے۔ لہٰذا کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم لیگ سے باہر رہتے ہوئے اس کے ساتھ ہمدردی کریں؟ اس وقت ہندوستان میں انتخابات کی مہم درپیش ہے اور یہ انتخابات فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک طرف تمام غیر لیگی عناصر مل کر مسلم لیگ کو پچھاڑنے کی کوشش کر رہے ہیں جن میں اگر وہ کامیاب ہو جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کانگریس کی وطنی تحریک مسلمانوں پر زبردستی مسلط ہو کر رہ جائے گی۔ دوسری طرف مسلم لیگ یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں اور وہ اپنی قومی حکومت قائم کرنے کے خواہشمند ہیں۔ ان دونوں کا فیصلہ رائے دہندوں کے ووٹ پر منحصر ہے۔ ایسی صورت میں ہم کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ کیا ہم لیگ کے حق میں ووٹ دیں اور دلوائیں؟ یا خاموش بیٹھے رہیں یا خود اپنے نمائندے کھڑے کریں۔[4]

سوال آپ نے دیکھ لیا۔ مودودی صاحب کی طرف سے اس سوال کا لمبا چوڑا جواب دیا گیا تھا۔ ہم اس جواب کا صرف وہی ٹکڑا نقل کرتے ہیں جس کا تعلق انتخابات سے تھا۔

> جواب:- .... ووٹ اور الیکشن کے معاملے میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے۔ پیش آمدہ انتخاب یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو، اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ہمارے ملک پر پڑتا ہو، بہرحال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لاتے ہیں۔[5]

(ضمناً، اس حقیقت کو سامنے رکھیئے کہ مودودی صاحب کے فتویٰ کی رُو سے، زندگی کی اہم ضرورتوں کے لئے جھوٹ تک بولنا بھی جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہو جاتا ہے۔ بہرحال) مولانا کے اس جواب پر جماعت کے متعلقین حیران رہ گئے۔ اخباروں میں بھی اس پر بحث ہوئی جس کا ایک دفعہ پھر مولانا نے ایک مفصل جواب ترجمان القرآن میں دیا۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔ لکھا۔

> جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، اسلام اور اس کے مقاصد سے تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کر لیجئے کہ اس کے لحاظ سے لیگ کی تحریک مسلمانوں کو کوسوں دور لئے ہی جا رہی ہے، لیکن محض قومی مفاد کو بھی اگر سامنے رکھا جائے تو مجھے وہ فضا کہیں نظر نہیں آتی جس کے متعلق خبر دی جا رہی ہے کہ وہ بڑی ہی کوئی سازگار فضا ہے۔[6]

چنانچہ قیامِ پاکستان کے سلسلے میں ہونے والے انتخابات کے بارے میں یہ فیصلہ دیا گیا کہ

> ہمارے نزدیک اس مقصد تک پہنچنے کا کوئی راستہ اس کے سوا نہیں ہے کہ موجودہ حالات میں ہندوستان کا سیاسی نظام جس ڈھنگ پر چل رہا ہے اور جس راہ پر وہ آگے بڑھتا نظر آ رہا ہے اس سے فی الحال ہم قطع نظر کر لیں۔ اور اپنی ساری قوت اس بنیادی کام پر صرف کریں جسکے ذریعے سے نظامِ زندگی میں اسلامی طرز کا انقلاب رونما ہو سکتا ہے۔[7]

لیکن مودودی صاحب کی سخت مخالفت کے باوجود، پاکستان وجود میں آگیا اور یہ صاحب، اس "کافرانہ حکومت" میں بظاہر پناہ لینے لیکن درحقیقت اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لئے، اپنے لاؤلشکر سمیت آ دھمکے۔

تشکیلِ پاکستان کے بعد، بھارت کی پالیسی یہ تھی کہ مسلم ممالک کے دلوں میں پاکستان کے خلاف نفرت کے بیج بو دیئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے ان کی طرف سے، اُن ممالک میں مسلسل یہ پراپیگنڈہ کیا جاتا تھا کہ پاکستان یورپی استعمار کا پیدا کردہ ہے۔ جناح، انگریزوں کا ایجنٹ تھا اور تقسیم ہند کا تصور انہی کے سیاسی ذہن کی اختراع تھا۔ ان کا یہ پراپیگنڈہ کس قدر خطرناک تھا، اس کے متعلق خود مودودی صاحب کی زبان سے سنیئے:

> ہندوستان نے پچھلے کئی برس سے بلکہ تقسیم کے فوراً بعد سے عرب ممالک کے اندر اپنے پراپیگنڈے کا وسیع جال پھیلا رکھا ہے اور ہم یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ پروپیگنڈا اپنے تنوع اور ہمہ گیریت کے لحاظ سے بظاہر بڑا اثر انگیز اور خطیر تھا۔ ہندوستان نے بڑے بڑے ہندو فلسفیوں، شاعروں، ادیبوں اور سیاسی لیڈروں کے افکار و نظریات وسیع پیمانے

---

[1] شائع شدہ۔ طلوع اسلام۔ بابت جنوری ۱۹۶۹ء
[2] مسلمان اور سیاسی کشمکش۔ حصہ سوم۔ صفحہ ۱۳۶ ،
[3] ماہنامہ ترجمان القرآن۔ جلد ۲۷ عدد ۳، ۴ ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱۸۷/۹۱ ، ۱۸۸ -
[4] ایضاً۔ صفحہ ۱۴۶
[5] ایضاً۔ صفحہ ۱۸۹
[6] ماہنامہ ترجمان القرآن۔ جلد ۲۸ صفحہ ۱۴۳ (عدد ۳) -
[7] ایضاً۔ صفحہ ۱۵۵

پر عربی زبان میں منتقل کئے، اپنے اکابر کی زندگیوں پر تصنیفوں کے انبار لگا دیئے۔ بعض عربی اخبارات کی درپردہ خدمات حاصل کیں جنہوں نے ہندوستان کے پراپیگنڈے کو فروغ دینے کے ساتھ پاکستان کا چہرہ مسخ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ سفارتی سطح سے الگ ایک مستقل پروپیگنڈہ مشنری کا نظام قائم کیا جس میں تجربہ کار اہل قلم اور عربی دان سکالروں کو بھاری معاوضے دے کر مختلف میدانوں میں ہندوستان کی برتری کا سکہ جمانے کی خدمت پر مامور کیا۔ (ترجمان القرآن۔ نومبر ۱۹۶۵ء۔ صفحہ ۱۹۵/۵۱)

یہ تو تھا ہندوستان کا پروپیگنڈہ۔ اب دیکھئے کہ خود جماعتِ اسلامی نے اس سلسلہ میں کیا کارنامے سرانجام دیئے۔

دیارِ عرب میں تحریکِ پاکستان کا تعارف

دیارِ عرب میں جماعتِ اسلامی کا تعارف کرانے کے لئے، دارالعروبہ کے ناظم مولانا مسعود عالم ندوی (مرحوم) نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جو شائع ہونے سے پہلے وہاں کے عربی رسالوں میں قسط وار شائع ہوتی رہیں۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام غربة الاسلام فی الهند تھا۔ مولانا جب ۱۹۴۹ء میں دیارِ عرب کے دورے پر تشریف لے گئے تو وہاں کے حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس کتاب کو ایک نیا نام "تاریخ الدعوة الاسلامية فی الهند و باکستان" دیا گیا۔ مجلہ چراغِ راہ کے "مسعود عالم نمبر" میں اس کتاب کے متعلق ہمیں یہ تصریح ملتی ہے کہ "۵۲ء کے شروع میں انہوں نے (ندوی مرحوم نے) اپنی کتاب تاریخ الدعوة الاسلامية فی الهند و باکستان مکمل کر لی[۷] اس کے بعد عربی ہی میں اس کا خلاصہ "نظرة اجمالية" فی تاریخ الدعوة الاسلامية فی الهند و باکستان" کے نام سے لکھنا شروع کیا جو نومبر یا دسمبر ۵۲ء میں مکمل ہوا۔ اس کا کچھ حصہ مسعود صاحب قیام بغداد ہی کے زمانے سے ماہ نامہ "لسان الدین" (مراکش) کو بھیجنے لگے تھے جو اس کے کئی پرچوں میں قسط وار شائع ہوا۔[۸]

مولانا مسعود عالم ندوی (مرحوم) ایک مخلص انسان تھے۔ لیکن جب انسان کسی جماعت سے منسلک ہو جاتا ہے تو پھر اسے جماعت کی پالیسی کو بہرحال نبھانا پڑتا ہے۔ مولانا کی مذکورہ بالا کتابوں میں تحریکِ پاکستان اور بانیٔ پاکستان کے متعلق جو کچھ کہا گیا تھا اس کا نوٹس لینے والا تو شاید کوئی نہیں تھا لیکن دوسری مذہبی جماعتوں کے متعلق انہوں نے جو طرزِ عمل اختیار کیا، تو خود ان کی علمی زندگی کے پرانے ساتھی بھی ان سے خفا ہو گئے تھے۔ مثلاً جب نظرة اجمالية" شائع ہوئی تو اس میں مولانا الیاس (مرحوم) کی تبلیغی جماعت کا ذکر تو صرف نصف صفحے پر مشتمل تھا اور کتاب کا اکثر حصہ جماعتِ اسلامی کے لئے مخصوص تھا۔ ہندوستان میں اہل ندوہ کی اکثریت کا رجحان تبلیغی جماعت کی طرف تھا۔ اس لئے ان کی طرف سے اس کتاب پر بڑی سختی سے تنقید کی گئی۔ چونکہ یہ کتاب جماعتِ اسلامی کی پالیسی کی نقیب تھی اس لئے اس کا جواب مولانا مسعود عالم کے بجائے جماعت کے کسی دوسرے اہلِ قلم نے دیا۔ اور پھر معترضین کی جانب سے جواب الجواب شائع ہوا۔ اس سلسلہ میں مولانا ندوی مرحوم کے ایک پرانے ساتھی مولانا علی میاں ندوی نے لکھا۔

> ان کی کتاب نظرة اجمالية" شائع ہوئی تو حسبِ معمول انہوں نے مجھے بھیجی میں پیش دستی کی کتاب پر سرسری نظر ڈالی تو اس میں چند خلاء محسوس ہوئے اور بعض مباحث کسی قدر تشنہ۔ خیال تھا کہ ان کو نجی خط میں اس طرف توجہ دلاؤں گا۔ ابھی اس کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ایک عزیز نے اس پر تبصرہ اور تنقید کی۔ اس تنقید میں کچھ شوخی اور طنز کی جھلک آ گئی اور قلم حدود سے تجاوز کر گیا۔ اس کا جواب جماعتِ اسلامی کے ایک پُرجوش رفیق نے تلخ لہجہ میں دیا۔ اس کا جواب الجواب بھی اسی لہجہ و انداز میں شائع ہوا۔[۹]

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، مولانا ندوی مرحوم نے، جماعتِ اسلامی کی برتری ثابت کرنے کے لئے مذہبی جماعتوں کے خلاف جو کچھ لکھا اس کا نوٹس لینے والے تو کثیر تعداد میں موجود تھے اس لئے ان کی کتاب کے اس حصے پر لے دے بھی ہوئی۔ لیکن انہوں نے پاکستان کے خلاف جو زہر اگلا اس کا نوٹس لینے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ اس وقت کی حکومتیں اپنے سیاسی دھندوں میں الجھی ہوئی تھیں اس لئے انہیں کہاں فرصت تھی کہ اس طرف دھیان دیتیں۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

لیکن بھلا ہو ماہ نامہ چراغِ راہ کا کہ اس نے "مسعود عالم ندوی نمبر" میں مولانا کی مذکورہ بالا اہم کتاب کے اس باب کا، جو تحریکِ پاکستان اور بانیٔ پاکستان کے متعلق تھا، ترجمہ شائع کر دیا۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ہم ان عربی کتابوں کے لمبے چوڑے اقتباس نقل کرنے کی کوفت اور ترجمہ کی ذمہ داری سے بچ گئے۔ اس کتاب میں ندوی مرحوم لکھتے ہیں۔

تحریکِ پاکستان اور بانیٔ پاکستان

> اس تحریک (یعنی مسلم لیگ) کی ابتداء اگرچہ اس صدی کے ابتدائی تین دہوں کے بعد ہو چکی تھی تاہم ۱۹۳۶ء کے بعد کہیں جا کر اس نے اپنا اثر پیدا کرنا شروع کیا اور اسے قبولِ عام حاصل ہوا۔ جب کہ محمد علی جناح جیسے دستوری اور قانونی مسائل کے ماہر نے اس کی باگ ڈور سنبھالی۔ یہ مسلمانوں کی بدقسمتی تھی کہ ان کا قائد محمد علی جناح دستوری و قانونی مسائل میں مہارتِ تامہ رکھنے اور انگریز اور ہندو کی سیاست کی ساری گہرائیوں اور باریکیوں سے واقف ہونے کے باوجود اسلام کی حقیقت اور اس کی خوبیوں سے قطعاً نابلد تھا۔ جناح مرحوم کو اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی سہی لیکن فی الحقیقت وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اسلام نے انسانی زندگی کے لئے بہترین اصول بھی بتائے ہیں جو انسانیت کو برکتوں سے مالا مال کرنے کے ضامن ہیں۔ یہ کچھ ان کا اپنا قصور نہیں تھا، بلکہ جس ماحول میں انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پروان چڑھے یہ اس کا فطری لازمی نتیجہ تھا۔ ایک اسماعیلی گھرانے میں خالص فرنگی طرز پر انہوں نے نشوونما پائی۔ اسماعیلی گروہ اپنے افکار و عقاید کے اعتبار سے دراصل عام مسلمانوں سے بالکل الگ ہے۔ اور سوائے اس کے کہ دونوں اسلام ہی کا نام لیتے ہیں ان میں باہم اور کوئی ربط نہیں .... یہی حال ان تمام لوگوں کا بھی تھا جو ان کی دعوت پر کانگریس کے خلاف ایک جھنڈے تلے جمع ہوئے تھے۔ یہ سب کے سب فرنگی تہذیب و ثقافت میں رنگے ہوئے اور کالجوں سے نکلے ہوئے تھے۔ ان کی نشوونما ایسے ماحول میں ہوئی جسے دین اور علمِ دین سے کوئی علاقہ نہیں تھا۔ اس صورتِ حال کے منطقی نتیجہ کے طور پر محمد علی جناح اور ان کے پیچھے چلنے والوں کے سارے کام، سیاسی مطالبات کو منوانے کے لئے سارے طور طریقے، بالکل عام سیاسی پارٹیوں ہی کی طرح تھے۔ وہی ان کے جلسوں اور کانفرنسوں کا رنگ ڈھنگ تھا ...... دینی و اخلاقی قیود سے وہ یکسر آزاد تھے۔ ان کی کارروائیوں اور جلسوں میں اسلام کا کوئی اثر نہیں تھا جو غیر مسلموں سے انہیں ممتاز رکھتا۔ ملک کے دوسرے حصوں اور مختلف گاؤں اور شہروں میں مسلم لیگ کی قیادت ایسے ہی ہاتھوں میں آئی جو اپنے اکابر کی طرح دین سے دور اور جن کی زندگیاں مختلف اخلاقی برائیوں میں آلودہ تھی۔"[۱۰]

یہ تھا تحریکِ پاکستان اور بانیٔ پاکستان کا تعارف جو جماعتِ اسلامی کی "پاکستان دوست" مساعی کے صدقے اسلامی ممالک میں ہوا۔

آگے چلئے — فرماتے ہیں۔

قائدِ اعظم اور مسلمان اور اسلام کا فرق

> ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلام اور مسلمان کے فرق کو سمجھا نہیں یا سمجھنا چاہا نہیں۔ اسلام دین و دنیا کی سعادتوں کا ضامن ایک جامع دین ہے جس کے اندر اصول عقاید، عبادات و مراسم، قوانین و معاملات اور دستورِ مملکت مختصراً پوری زندگی کا نظام ہے ..... اس کے برخلاف وہ شخص جس کے ماں باپ تو مسلمان ہوں اور وہ خود بھی مسلمانوں کے سے نام رکھے لیکن وہ اپنی عملی زندگی میں شترِ بے مہار ہو اور اپنے نفس کی پیروی میں غلط اصول و نظریات کو اپنائے تو اس کا اسلام سے کوئی علاقہ نہیں خواہ مردم شماری کے کاغذات میں اس کا نام مسلمان کی حیثیت سے سرِ فہرست ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، نہ جس میں دو رائیں ممکن ہیں۔ بہرحال "اسلام" اور "مسلمان" کے اس عظیم فرق کو نظر انداز کر جانا ایک بہت بڑی غلطی تھی جس کا ارتکاب محمد علی جناح اور ان کے ماننے والوں نے کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر وہ شخص مسلم لیگ کے نظام میں جگہ پا گیا جو بس مسلمانوں کے سے نام رکھتا تھا۔ لیگ کا سالانہ چار آنے چندہ ادا کرتا تھا اور مطالبہ آزادی اور کانگریس دشمنی میں ان کا ہمنوا تھا۔ اس کے عقاید و اخلاق اور لوگوں سے معاملات میں اس کے رویّہ سے کوئی بحث نہیں تھی۔ نتیجتہً مسلم لیگ میں بھانت بھانت کے لوگ جمع ہو گئے۔ (۱) انگریزی استعمار کے آلۂ کار۔ (۲) روسی اشتراکیت کے پرستار۔ (۳) کمالی تفرنج کے علمبردار، نسلی قومیت کے مبلغ، جغرافی وطنیت کے داعی۔[۱۱]

یورپی استعمار سے عربوں کی نفرت

پاکستان کے قیام کے لئے شبانہ روز جدوجہد کرنے والوں کے جو صفات مولانا نے گنائے ہیں ان میں سے بالخصوص وہ جن پر ہم نے نمبر لگا دیئے ہیں، عربوں کے دل میں پاکستان کے خلاف جذباتِ نفرت پیدا کرنے کے لئے کافی تھے۔ خاص کر یورپی استعمار کا آلۂ کار ہونا تو ان کے نزدیک گالی کی حیثیت رکھتا ہے۔ بس ایک دفعہ انہیں کسی طرح یہ یقین دلا دیجئے کہ فلاں شخص یا جماعت یا ملک یورپی استعمار کا آلۂ کار ہے تو ان کا دل اس کی طرف سے کبھی صاف نہیں ہو سکتا۔ ان دنوں اور اب بھی عربوں کا ایک عام اور ہر دلعزیز نعرہ یہ ہے۔

لا يجتمعُ الاسلام والميل الى الاستعمار الاوربي فى قلب واحد۔

اسلام اور یورپی استعمار کی طرف جھکاؤ کسی ایک دل میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

---

[۷] تکمیل کے بعد اسے دمشق شائع ہونے کے لئے بھیج دیا گیا۔ [۸] ماہ نامہ چراغ راہ۔ مسعود عالم نمبر۔ صفحہ ۱۳۸۔ [۹] ماہنامہ چراغ راہ۔ مسعود عالم نمبر۔ صفحہ ۵۶۔ [۱۰] ماہنامہ چراغ راہ۔ مسعود عالم نمبر۔ صفحہ ۱۶۰/۱۶۱۔
[۱۱] ماہنامہ چراغ راہ۔ مسعود عالم نمبر۔ صفحہ ۱۶۱۔

ہندوستانی پروپیگنڈے کو تقویت

اب آپ خود ہی اندازہ لگا لیجئے کہ بھارت، عربی ممالک کو پاکستان کی طرف سے متنفر کرنے کے لئے جو زہر آلود پراپیگنڈہ کر رہا تھا، جماعتِ اسلامی کے اس "جہادِ عظیم" نے اسے کس قدر تقویت پہنچائی ہو گی۔

ذرا اور آگے چلئے۔ اور تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ فی الہند و الباکستان میں تحریکِ پاکستان کے متعلق آخری پیراگراف ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں۔

> اس مسلم قومیت کا سب سے بڑا اثر یہی ہوا کہ مسلم لیگ سے منسلک نوجوان طبقہ میں کمالی نظریات یعنی تفریخ، الحاد اور زندقہ کے تصورات پرورش پانے لگے۔ اس فتنہ کو ہوا دینے والے مسلم لیگ کے اکابر، اور لیگی صحافت کا یہ سوچا سمجھا رویہ تھا کہ وہ علمائے اسلام پر طعن کرتے تھے اور علمبردارانِ دین کا مذاق اڑاتے تھے، اسلامی شعائر ان کے تمسخر و استہزاء کا ہدف بنے رہتے تھے اور اسلام کے اوامر و نواہی کا انہیں کوئی پاس و لحاظ نہ تھا۔ یہ گروہ حالات کے بدلنے کے باوجود ابھی تک موجود ہے۔ [12]

(ضمناً قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ آج جماعتِ اسلامی اسی طبقے کے ساتھ مل کر سیاسی مقاصد حاصل کرنے میں لگی ہوئی ہے اور اسی لیگی صحافت کو علمبردار اور حق پرست قرار دے رہی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے اس کی خبریں شائع ہوتی ہیں۔)

خیال رہے کہ یہ عربی کتاب پاکستان بننے کے پورے پانچ سال بعد مکمل ہوئی۔ اس وقت پاکستان کیا، ساری دنیا، موسّسِ پاکستان کو قائدِ اعظم کے نام سے پکارتی تھی.... یہاں تک کہ ہمارے سب سے بڑے دشمن "ہندوستان" تک کے لیڈر بھی اسی کا یہی نام لیتے تھے۔ لیکن ان حضرات کی اس پوری کتاب کو پڑھ جائیے، برصغیر کے مسلمانوں کے اس محسن کو ایک دفعہ بھی اس مشہور نام سے پکارنا گوارا نہیں فرمایا گیا۔

یہ کچھ انہوں نے تشکیلِ پاکستان کے بعد تحریر فرمایا جبکہ یہ خود ہندو مظالم کا شکار ہو کر پاکستان میں پناہ لے چکے تھے اور ہندو کے مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس سے پہلے مصر کے اخبار "الفتح" میں تقریباً اسی موضوع پر ان کی جو کتاب "حاضر مسلمی الہند و غابرھم" چھپتی رہی تھی، اس میں کیا کچھ زہر نہیں اگلا گیا ہو گا۔ یہ کتاب ہمیں تو نہیں مل سکی لیکن مولانا مسعود عالم (مرحوم) کے ایک دیرینہ دوست، مولانا ابوالحسن علی ندوی، نے ایک مقام پر اس کا حوالہ دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب اور جس کے ہم اقتباسات نقل کر چکے ہیں، کا مضمون تقریباً ایک ہی ہے۔ وہ مقام ملاحظہ ہو۔

> وہ بھی (یعنی مولانا مسعود عالم (مرحوم)) اپنی تحریروں میں ہمیشہ "اسلام" اور "مسلمانوں" کے درمیان امتیاز قائم رکھتے تھے اور دونوں لفظوں کے استعمال میں محتاط تھے۔ ان کا قلم بھی اسلام کی تاریخ نگاری میں یا اسلامی دعوتوں اور تحریکوں لہذا اصلاحی کوششوں کا جائزہ لینے میں مسلمان بادشاہوں، ان کے غیر اسلامی افعال اور غلط نمائندگی پر سخت تنقید کرتا رہا۔ [13]

عرب اہلِ علم کا تاثر

یہ تھیں وہ تحریریں جو ان حضرات نے بڑی کاوشوں سے عربوں تک پہنچائیں۔ اب عربوں نے اس سے کیا تاثر لیا، اسے بھی ملاحظہ فرمالیں۔ میرے خیال میں اس بارے میں محمد محمود الصراف ایڈیٹر الاخوۃ الاسلامیۃ بغداد کی مندرجہ ذیل تصریح اس کی صحیح نمائندگی کرتی ہے۔ مولانا کی وفات پر انہوں نے جو پیغام چراغِ راہ کے "مسعود عالم نمبر" کے لئے ارسال فرمایا، اس میں فرماتے ہیں۔

> وہ مملکتِ پاکستان اور وہاں کے باشندوں کے بالعموم اور وہاں کی تحریکِ اسلامی کے بالخصوص صحیح نمائندہ ترجمان تھے۔ اس لئے ہمیں ان سے پاکستان کے اور وہاں کی جماعتوں کے وہ حالات معلوم ہوئے جن سے بلادِ عرب بالکل ناواقف تھے۔ [14]

ڈاکٹر عبدالوہاب عزام سے تعلقات

دنیائے عرب کے عام اہلِ علم تو کجا، وہاں کی بڑی بڑی نامور علمی ہستیاں بھی ان کی تحریروں کو سند سمجھتی تھیں۔ انہی میں سے ایک شخصیت، ڈاکٹر عبدالوہاب عزام (مرحوم) کی تھی۔ مولانا مسعود عالم نے ان سے سعودی عرب میں (جبکہ وہ وہاں حکومتِ مصر کے سفیر تھے) اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے اور ان کے اعلیٰ علمی رتبے سے بھی ہمیں آگاہ کیا ہے۔ [15] مولانا کی کتاب "حاضر مسلمی الہند و غابرھم" جو مصر کے اخبار الفتح میں قسط وار شائع ہوئی تھی۔ اب اس کے ایڈیٹر لسان الدین الخطیب اسے چوری چھپے شائع کرنا چاہتے تھے۔ اس کا انہوں نے ڈاکٹر عزام (مرحوم) سے ذکر کیا تو انہوں نے (بقول ان کے) اس کتاب کے چھپوانے اور اس پر اپنی طرف سے مقدمہ لکھنے کا وعدہ کیا۔ لیکن خوش قسمتی سے ڈاکٹر عبدالوہاب موصوف پاکستان میں حکومتِ مصر کے سفیر رہ چکے تھے۔ اس طرح انہیں یہاں کے حالات کا براہِ راست مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا۔ علاوہ بریں جیسا کہ قارئین طلوعِ اسلام کو معلوم ہے، ڈاکٹر عزام (مرحوم) علامہ اقبال کے شیدائی تھے اور انکے کلام کا عربی زبان میں ترجمہ کرنے کے بیحد متمنی۔ انہیں معلوم ہوا کہ پاکستان میں ایک ہی شخصیت ہے جو اس باب میں ان کی راہ نمائی کر سکتی ہے اور وہ ہیں پرویز صاحب۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے ان سے راہ و رسم پیدا کی جو اس حد تک بڑھی کہ وہ جب تک پاکستان میں رہے پرویز صاحب سے، درسِ اقبال لیتے رہے۔ قصرِ سفارت میں، مجلسِ قلندرانِ اقبال، کی ہفتہ وار نشستوں کی یاد آج بھی جاننے والوں کے لئے وجہ نشاطِ روح بنتی ہے۔ سفیر صاحب، پرویز صاحب کو "الشیخ" کہہ کر پکارتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ضربِ کلیم "کے عربی ترجمہ کے مقدمہ میں انہیں اسی لقب سے یاد فرمایا ہے۔ پرویز صاحب، اقبال کے شیدائی ہونے کے ساتھ، تحریکِ پاکستان کے نہایت پُرجوش مبلغ تھے۔ یہ تھا وہ ذریعہ جس سے سفیر صاحب کو تحریکِ پاکستان کی حقیقت اور اس کے مقاصدِ عالیہ سے صحیح صحیح آگاہی ہوئی۔ بنا بریں، ہم سمجھتے ہیں کہ جب سفیر صاحب نے ندوی صاحب کی مذکورہ بالا کتاب کو بامعان دیکھا ہو گا تو اسے شائع کرانے یا اس پر مقدمہ لکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا ہو گا۔

ڈاکٹر عزام (مرحوم) مصر میں، پاکستانی آئیڈیالوجی کے صحیح معنوں میں سفیر بن سکتے تھے لیکن بدقسمتی سے انہیں موت نے مہلت نہ دی اور وہ عرب میں اپنے زمانہ سفارت کے دوران وفات پا گئے۔ علاوہ بریں، بدقسمتی سے انہی دنوں ایک اور ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا۔ یعنی نہر سویز پر اسرائیل، فرانس اور برطانیہ نے مل کر حملہ کر دیا۔ اس نازک صورتِ حالات میں ہماری اس وقت کی حکومت نے جو طرزِ عمل اختیار کیا اس نے ہندوستان کے پراپیگنڈے کو (جسے جماعتِ اسلامی کی تحریروں نے پہلے ہی سے تقویت پہنچا رکھی تھی) اور زیادہ مؤثر بنا دیا۔

اہلِ عراق کی پاکستان سے محبّت

مختلف عرب ممالک کے حالات پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ عراق پر جماعتِ اسلامی کے مسموم پراپیگنڈے کا کوئی اثر نہ تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ دوسرے عرب ممالک کی نسبت عراق ہم سے قریب ہے اور دونوں طرف سے لوگ اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔ دوسرے وہاں، مولانا مسعود عالم ندوی کے استاذ ڈاکٹر ہلالی رہتے تھے جو ہندوستان میں کافی عرصہ رہ چکنے کے بعد یہاں کے صحیح حالات سے اچھی طرح باخبر تھے۔ چنانچہ مولانا مسعود عالم ندوی کے دورۂ عراق کے دوران جب انہوں نے پاکستان کی تعریف کر دی، تو ہمارے مولانا اپنے جذبات قابو میں نہ رکھ سکے۔ ان کے متعلق فرمایا۔

> وہ عراق سے بالکل مایوس اور پاکستان سے بہت خوش ہیں۔ دور کے ڈھول سہانے ہمارے ہاں کی کہاوت مشہور ہے۔ ہلالی صاحب نے ۱۹۳۳ء میں لکھنؤ چھوڑا۔ اس دوران میں مسلم لیگ کی تحریک نے مسلمانوں کی عام مذہبی اور معاشرتی حالت کو جو نقصان پہنچایا ہے اسکا اندازہ وہ نہیں کر سکتے۔ یہ اللہ کا فضل تھا کہ جماعتِ اسلامی کا لٹریچر کام کر رہا تھا۔ [16]

قارئین اگر اس چھوٹے سے پیرے کو غور سے پڑھیں گے تو وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مولانا کی جو لمبی چوڑی عبارتیں تحریکِ پاکستان کے متعلق ہم نقل کر آئے ہیں یہ ان کا خلاصہ معلوم ہوتا ہے۔ ایسے ایک دو پیراگراف اور بھی ملاحظہ فرمائیں جن میں مولانا نے "اہلِ عراق" پر صحیح صورتِ حالات واضح کرنے کی پوری کوشش کی لیکن پھر بھی ان کے دل سے پاکستان کی محبت نہ نکل سکی۔ ایک علمی مجلس کا ذکر خود مولانا کی زبانی سنیئے۔

> راقم نے عرض کیا۔ موجودہ اربابِ حکومت سب انگریزوں کے شاگرد، ان کی تہذیب کے دلدادہ اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔ قوم بین بین ہے۔ ایک جماعت دس برس سے دین کی طرف بلا رہی ہے۔ اور یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ دستور ساز اسمبلی نے یہ قراردادِ مقاصد پاس کی جس کا ذکر آپ سنتے ہیں۔ [17]

عراق کے اسلام پسند نوجوانوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

> "ان نوجوانوں کو پاکستان سے بڑی توقعات ہیں اور خصوصاً قراردادِ مقاصد کے بعد۔ جب میں نے اپنی مشکلات بیان کیں تو انہیں حیرت ہوئی۔ پھر بھی ایک دردمند نے کہا۔ کم سے کم تمہارے لئے وہاں کام کی گنجائش تو ہے۔ ہمارے ہاں دین کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ [18]

وہاں کی جمعیۃ الاداب الاسلامیۃ کے سیکرٹری سید عبدالہادی تھے۔ ایک ایسی ہی مجلس کی بات چیت ان کی زبانی سنیئے:-

> یہ بیچارے خیال کرتے ہیں پاکستان اسلامی حکومت ہے اور اس کے وزراء و حکام سب اسلام کے عاشق اور احکامِ الٰہی کے پیرو ہیں۔ میں نے صورتِ حال بیان کی۔ اس پر بعضوں نے کہا۔ بہرحال تمہارے ہاں توقع تو ہے اور ایک جماعت سرگرمِ عمل ہے۔ یہاں تو دین کا نام لینا قیامت ہے۔ [19]

ان اقتباسات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مولانا نے جو اہلِ عراق پر صورتِ حال واضح کرنے کی کوشش فرمائی اس کا انہوں نے کوئی گہرا اثر نہ لیا۔ اسلئے اپنے سفرنامے کے اگلے صفحہ پر ہمیں اہلِ عرب کے بارے میں یہ تاثر دیتے ہیں۔

> یوں نگاہ کی کمزوری اور قوتِ حافظہ کی خوبی عربوں کی قومی خصوصیت ہے۔ [20]

یہ ہیں وہ تفصیلات جن کا ہم نے قارئین سے وعدہ کیا تھا۔

جماعتِ اسلامی کی اصول پرستی

آخر میں ہم جماعتِ اسلامی کی مزعومہ اصول پرستی کی ایک بیّن مثال سامنے لانا چاہتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کے انتخابِ صدر کے وقت، ایک طرف

---

[12] ماہنامہ چراغِ راہ مسعود عالم نمبر۔ ص۱۶۲ [13] ماہنامہ چراغِ راہ مسعود عالم نمبر ص۵۳ [14] ایضاً۔ صفحہ ۱۷ ۔ [15] دیارِ عرب میں چند ماہ۔ صفحہ ۳۶۹ [16] دیارِ عرب میں چند ماہ ص۱۲۱ [17] دیارِ عرب میں چند ماہ۔ ص۱۵۵ ۔ [18] ایضاً ص۲۵ ۔
[19] ایضاً ص۲۲ ۔ [20] ایضاً۔ ص۲۸

امیدوار محمد ایوب خان تھے اور دوسری طرف محترمہ فاطمہ جناح (مرحومہ)۔ مودودی صاحب اس سے بہت پہلے یہ فیصلہ دے چکے تھے کہ اسلامی شریعت کی رُو سے عورت کا صدرِ مملکت بننا تو ایک طرف، اس کے لئے ووٹ دینا بھی جائز نہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح (مرحومہ) کے حق میں بھرپور کوشش کی۔ جب اسکے متعلق ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارے سامنے اس وقت تین صورتیں تھیں۔ یعنی۔

(۱) ایک صورت یہ تھی کہ (جماعت) صدر ایوب صاحب کی حمایت کا اعلان کرتی اور اس کے سارے نتائج کی ذمہ داری خدا اور خلق کے سامنے اپنے سر لیتی [۲۱]

(۲) دوسری صورت یہ تھی کہ وہ اس فیصلہ کن مرحلہ پر بالکل غیر متعلق تماشائی بن کر بیٹھ جاتی اور قوم کو سرے سے کوئی رہنمائی نہ دیتی۔ جو حضرات جماعت کو اس طرح کے مشورے دیتے ہیں انہیں شاید احساس نہیں ہے کہ یہ بھی آمریت کے بقا میں مددگار بننے کی ایک دوسری صورت ہوتی۔ [۲۲]

(۳) ان حالات میں جماعتِ اسلامی کے لئے دینی نقطہ نظر سے مناسب ترین صورت یہی باقی رہ گئی تھی کہ وہ ان لوگوں سے تعاون کرے جو آمریت کو ختم کرنے اور اس کی جگہ جمہوریت کو بحال کرنے کے لئے کوشاں ہیں [۲۳]

ان تینوں شکلوں پر پوری طرح غور و فکر کرنے کے بعد جماعت کے عمائد اس نتیجہ پر پہنچے کہ دینی اور ملی نقطہ نظر سے اس وقت جماعت کے لئے محترمہ فاطمہ جناح کی تائید کے سوا کوئی دوسرا جائز طریق کار نہیں ہے۔ کیونکہ پہلی دونوں صورتوں کے اختیار کرنے کے معنی عملاً فیلڈ مارشل صاحب کو کامیاب کرانے اور اس آمریت کے بقا میں ممد و معاون ہونے کے ہیں۔ [۲۴]

اس بحث کی روشنی میں اصول یہ بنا کہ اس نازک صورتِ حال میں اگر اپنے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے علیحدگی اختیار کی جاتی تو اس کا مطلب آمریت کے بقا میں ممد و معاون ہونا تھا۔

اب اس اصول کو برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی کے سب سے بڑے فیصلہ کن اور نازک مرحلہ پر چسپاں کیجئے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، یہ نازک اور فیصلہ کن مرحلہ وہ انتخابات تھے جن کی بنیاد پر پاکستان کا قیام وجود میں آنے والا تھا۔ اس وقت بھی جماعتِ اسلامی کے سامنے یہی تین صورتیں تھیں جسے ہم جماعتِ اسلامی کے ہی رسالہ ترجمان القرآن سے حوالہ نمبر ۳ اور ۴ پر نقل کر آئے ہیں۔ وہ تین صورتیں یہ تھیں۔

(۱) کانگریس کی حمایت جو پورے ہندوستان پر قبضہ کرنا چاہتی تھی۔

(۲) تحریکِ پاکستان جو مسلم اکثریت کے علاقوں پر مشتمل پاکستان کا قیام چاہتی تھی۔

(۳) آزادی کی ان دونوں تحریکوں سے علیحدہ رہا جائے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ برطانوی سامراج کو جوں کا توں رہنے دیا جائے۔

جماعتِ اسلامی نے اوپر کی دونوں تحریکوں سے علیحدگی رکھتے ہوئے کسی کو بھی ووٹ نہ دینے کا فیصلہ کیا۔ جس کا لازمی نتیجہ تیسری صورت، یعنی برطانوی سامراج کے بقا میں ممد و معاون ہونا تھا۔ ان حالات میں آپ خود ہی فیصلہ فرمایئے کہ غیر منقسم ہندوستان میں، یورپی استعمار کی حامی، جماعتِ اسلامی تھی یا مسلم لیگ؟ یہ جماعت خود یورپی استعمار کی حامی تھی لیکن عربی ممالک میں جا کر (بھارت کی ہمنوائی میں) پراپیگنڈہ یہ کرتی تھی کہ مسلم لیگ اور قائد اعظمؒ یورپی استعمار کے حامی تھے۔ یا للعجب!

—— (۰) ——

حرفِ آخر ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں قوم کو جہاں کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہاں اسکے کچھ فوائد بھی حاصل ہوئے۔ ان میں سے ایک اہم فائدہ یہ بھی ہوا کہ ہمارے اکثر عرب بھائی برصغیر کی تقسیم کے اصلی اسباب کو سمجھنے لگ گئے۔ اور وہ ہندوؤں کے جارحانہ عزائم سے کسی حد تک باخبر ہو گئے۔ لیکن حکومت کو اس صورتِ حال پر مطمئن نہیں ہو جانا چاہیئے۔ ابھی تک حکومت کی کوششیں صرف سفارتی ذرائع تک محدود ہیں۔ ان سے جماعتِ اسلامی کے پھیلائے ہوئے زہر کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ ضرورت ہے کہ دیگر مناسب ذرائع بھی اختیار کئے جائیں۔ مثلاً مخلص پاکستانیوں کو دیارِ عرب میں غیر سرکاری طور پر جانے کی سہولتیں بہم پہنچانا وغیرہ۔ اس کی ضرورت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ نظریۂ پاکستان کے مخالف جماعتوں کے ارکان وقتاً فوقتاً ان ممالک کا چکر لگاتے ہی رہتے ہیں اور پاکستان کے خلاف زہر پھیلاتے رہتے ہیں۔ خدا اس خطۂ پاک کو ہر قسم کے دشمن کی ناوک افگنی کے اثرات سے محفوظ رکھے۔ آمین!

---

[۲۱] ترجمان القرآن۔ جنوری ۱۹۶۵ء صفحہ ۳۵۸۔ [۲۲] ایضاً صفحہ ۳۵۹۔ [۲۳]، [۲۴]۔ ایضاً۔

(بشکریہ طلوعِ اسلام۔ لاہور مارچ ۱۹۶۹ء)

۲۱ر فروری

آج کے دن آج سے سولہ برس پہلے یہاں
شاہراہوں پہ نکل آئے جوانوں کے، جلوس
پیکرِ غیض و غضب بنکر وفا کی راہ میں
از گلستاں تا فرید آباد اک سیلِ نفوس
ہاتھ میں بینر لئے نعرے لگاتے چیختے
ضیغمانِ خطۂ بنگال آگے چل پڑے
خوف تھا ان کو کسی کا، اور نہ تھا کوئی بھی ڈر
وہ نڈر تھے وہ جری تھے وہ بہادر لوگ تھے
اپنے حق کے واسطے سر کو ہتھیلی پر لئے
اک ہجومِ سرفروشاں کارواں در کارواں
شعلۂ دل شعلہ بجاں مقتل کی جانب تھا رواں
اک طرف یہ لوگ جذبِ عشق سے سرشار تھے
دوسری جانب مسلح حاشیہ بردار تھے
وہ لگاتے جاتے تھے نعرے بصد بانگ دہل
اس طرف آنے لگا سرکار کے ماتھے پہ بل
اور پھر سرکار کی نازک مزاجی کے طفیل
گولیاں چلنے لگیں سینے ہوئے چھلنی کئی
کتنے ہی لڑکے یہاں جامِ شہادت پی گئے
جان دیکر یہ شہیدانِ زباں زندہ بنے
قوم کی تاریخ کا بابِ درخشندہ بنے
آفریں ہے انکی جرأت کو تو ہمت کو سلام
اس رفیقِ معتبر کو اور برکت کو سلام
"اے سلامِ بے نوا تیری شہادت کو سلام
ظلم کے ہاتھوں شہادت کا مقدر ہے دوام"

نعیم باذید پوری

(چھٹی قسط)

بے برگ و گیاہ

مصنّف:۔ اگنات ہرمین

مترجم:۔ حمید اختر

"تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ مجھے اپنے والدین سے کتنی محبت ہے وہ عمر رسیدہ بھی ہو رہے ہیں۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ غنیمت ہے۔ ہر سال ان کو اگلے برس دوبارہ ملنے کی امید پر چھوڑ آتی ہوں"

"کیا ابھی تک ان کا ارادہ پراگ آکر رہنے کا نہیں؟" روَن نے پوچھا "ہم ان کے لئے ایک چھوٹا سا دلفریب اور آرام دہ گھونسلا تلاش کر کے انہیں ہر ممکن آسائش بہم پہنچانے کا انتظام کر دیں گے۔ کیا تم نے ان کو اس بات پر مجبور نہیں کیا؟"

میگڈا کے پرانے گھر سے واپس آنے پر روَن ہمیشہ یہی تجویز پیش کیا کرتا تھا۔ لیکن وہ اس سے کتراتی تھی۔ بے شک اسے اپنے والدین کی قربت پسند تھی لیکن اگر وہ پراگ آجائیں تو اس کے پاس ننھی میگڈا سے ملنے کا وسیلہ باقی رہ جائے گا۔ وہ کونسا بہانہ تلاش کر سکتی تھی؟ محبت کی دو مختلف قسمیں ہمیشہ اس کے اندر برسرِ پیکار ہیں لیکن جیت مامتا کی ہی ہوتی۔

"تم کتنے اچھے ہو آیوآن" میگڈا نے جواب دیا "لیکن میرا خیال ہے کہ وہ مانیں گے نہیں، وہ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔ وہ اسی ماحول میں اچھے ہیں جس میں انہوں نے اپنی تمام زندگی بسر کی ہے، پراگ کی زندگی انہیں مشکل سے راس آئے گی۔ اگر خدانخواستہ انہیں کوئی حادثہ پیش آگیا تو اس کی وجہ اپنا گھر چھوڑنا سمجھیں گے۔ اس کے علاوہ اس طرح تمہارے اخراجات بھی بڑھ جائیں گے۔ اب بھی تم ان سے جس قسم کا سلوک کر رہے ہو اس کے لئے بھی تمہارا پورا شکریہ ادا نہیں کر سکتی"، میگڈا نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دبایا۔

ایوآن روَن پر ناقابلِ بیان مسرت چھا گئی۔ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں بدستور تھامے ہوئے اس نے پیار سے کہا "میگڈا ہمیشہ مجھ سے اسی طرح محبت کرتی رہو! یہی بہترین شکریہ ہے جو تم مجھے ادا کر سکتی ہو؟"

اس کے بعد گھر پہنچنے تک وہ چند منٹ کے لئے خاموش رہے دو ہی دن بعد یہ جوڑا پراگ سے روانہ ہو گیا۔

ایوان بے چین تھا لیکن منظر کی تبدیلی کے لئے نہیں۔ اس سال وہ یقیناً سفر کرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ اپنی تجویز کو فوراً عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا لیکن اس سال سیر ملتوی کرنے کی کوئی معقول وجہ اس کے پاس نہیں تھی جو وہ اپنی بیوی سے بیان کر سکتا۔ چھٹی نہ ملنے کا بہانہ کرنے کا بھی وقت نہیں رہا تھا کیونکہ میگڈا کے میکے روانہ ہونے سے پہلے ہی ہر شے کا انتظام کر لیا گیا تھا اور میگڈا کو یہ بھی معلوم تھا کہ روَن کو سیاحت کا کس قدر شوق ہے۔ اس لئے وہ روانہ ہو کر میونخ پہنچ گئے۔

روَن کا خیال تھا کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ روزمرہ کی زندگی کے دائرے سے باہر اور اجنبی لوگوں اور اجنبی ماحول میں بہت اچھی طرح کہہ سکے گا۔ سیاحت کے دوران میں جب وہ ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئے تھے تو گھر کی نسبت وہ ایک دوسرے سے زیادہ بے تکلفی محسوس کرتے تھے۔ روَن ایسے محسوس کرتا تھا جیسے وہ ایک دوسرے کے محبوب ہوں۔

جس موقعہ کی وہ تلاش میں تھا وہ اس کی توقع سے پہلے ہی پیش آگیا۔ انہوں نے میونخ میں ایک ہفتہ قیام کیا اور آخری دن جھیل سٹرین برگ کی سیر کو گئے۔ ایک گرم سہانی صبح کو وہ سٹرین برگ پہنچ کر گاڑی پر سے اترے اور کشتی پر سوار ہوئے تو نسیم صبح گاہی کے لطیف جھونکے سطحِ آب پر لہریئے بنا رہے تھے۔

ان کی پہلی منزلِ مقصود لیونی تھی جہاں وہ روٹ مین کی چوٹی پر چڑھ کر دور افتادہ ایلپس کے نظارے کا لطف اٹھاتے رہے۔ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد وہ ساحل پر لوٹ آئے تاکہ دوسری کشتی پر سوار ہو کر کچھ اور آگے جائیں لیونی کی بستی کا ایک چھوٹا سا کنبہ اس کشتی پر ان کے ساتھ ہی سوار ہو گیا۔ یہ دو بچوں والے جوان میاں بیوی تھے۔ گھنگھریالے بالوں والا ننھا مضطرب بچہ تقریباً تین سال کا لڑکا تھا جو سیمابی کیفیت سے تختۂ جہاز پر دوڑ رہا تھا اور پانچ سال کی زرد رو کمزور لڑکی بہت سے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ یہ سمجھنا آسان تھا کہ مومی رخساروں والی یہ لڑکی کسی سخت بیماری سے ابھی اٹھی تھی۔ بظاہر بیماری کی گرفت نے ابھی تک لڑکی کا پیچھا نہ چھوڑا تھا۔ ایک خوش رو نوجوان لڑکی بچی کی حفاظت پر مامور تھی لیکن اس لڑکی کی نگہداشت ماں بذاتِ خود کر رہی تھی۔ اور اس خیال سے خوش تھی کہ وہ دوبارہ اسے جھیل کی سیر کے لئے لانے کے قابل ہو گئی ہے۔ وہ اس روبصحت عزیز بیمار بچی کے چہرے سے اپنی آنکھیں نہیں ہٹا سکتی تھی جس کے بستر پر اس نے بہت سی راتیں گرم آنسوؤں اور پُرخلوص دعاؤں کے ساتھ بسر کی تھیں۔ لڑکی تھکی ہوئی تھی اور بے معنی نظروں سے جھیل کو دیکھ رہی تھی جس کی شفاف سطح کے نیچے سبزہ سویا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں ایک نقطے پر جمی ہوئی تھیں جیسے وہ پانی سے سمندری پریوں کے نکل آنے کی متوقع ہو۔ اسے ان پریوں کے متعلق کافی معلومات حاصل تھیں اس کی ماں اکثر اسے ان پریوں کی کہانی سنایا کرتی تھی کبھی کبھی یہ بچی کھانستی تھی۔ اسی وقت اس کی ماں اس کے گلے کو ریشمی رومال میں زیادہ احتیاط سے لپیٹ دیتی یا اس کی ننھی نوکدار کہنیوں کو بڑے کوٹ میں چھپا دیتی اور اس کی ہر حرکت کے ساتھ لڑکی کا منہ بھی چوم لیتی تھی۔

ایوآن روَن اپنی بیوی کو غور سے دیکھتا رہا ——— جس کی آنکھیں اس لڑکی کے چہرے پر دیر تک گڑی رہیں۔ یہ نگاہیں بار بار اس کی طرف لوٹ کر آتی تھیں۔ ایوان سمجھ رہا تھا کہ اس کی بیوی کے دل پر کیا

گزر رہی ہے۔ وہ اپنی بچی کے متعلق سوچ رہی ہے۔

سہانی صبح، تازہ اور تیز ہوا، دور افتادہ کوہ الپس کا نظارہ اس کی رُوح میں محبت اور نرمی کے سُر پیدا ہو رہے تھے۔ وہ معمول سے زیادہ حساس اور اثر پذیر ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ اپنی بیوی کے خیالات کا اندازہ لگا رہا تھا۔ ہاں وہ اپنی بچی کے متعلق سوچ رہی ہے۔ اس کی ننھی بچی بھی اسی طرح سخت بیمار ہو سکتی ہے، اسے بخار بھی آسکتا ہے۔ ہذیان کے عالم میں وہ اپنی ماں کو ہی پکارے گی۔ لیکن اس کی ماں کے نرم ہاتھوں کی بجائے کوئی اجنبی ہاتھ تیمار داری کرے گا۔ کیونکہ اس کی ماں کے پاس جرأت نہیں ہے۔ موت کے ساتھ اپنی آخری جنگ میں لڑکی کی دُھندلی آنکھیں اس کو تلاش کریں گی جو اسے دنیا کی تمام چیزوں سے عزیز تھی۔ وہ اپنے بازو اس سر کو آغوش میں لینے کے لئے پھیلائے گی جس میں پہلا اور آخری خیال اس بچی کا تھا، اور یہ بے سُود ہوگا۔ اس کی آخری آہ یہ دُکھ لئے ہوئے اس کے دل میں سے اُٹھے گی کہ اس نے اپنی ماں کے سینے پر دم نہ توڑا۔

یہ سوچ کر ایوان رون کی آنکھیں دُھندلا گئیں اور اس کی بیوی کے سینے سے بھی اسی وقت ایک آہ اُبھری جیسے ان کے خیالات میں توارد ہو گیا ہو۔ اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا "میگڈا تم اس بیچاری کو دیکھ کر رنجیدہ ہو رہی ہو!"

اس کی بیوی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی آنکھیں خلا میں دیکھتی رہیں۔ اس کی پلکیں کانپتی رہیں۔

"لیکن اس کے باوجود یہ بچی کتنی خوش قسمت ہے" اس نے تقریباً سرگوشی کے انداز میں کہا "اس کی تیمار داری کس احتیاط سے ہو رہی ہے اس کی والدہ محافظ فرشتے کی طرح اس کی دیکھ بھال کر رہی ہے!"

میگڈا کے رخساروں پر سے دو موٹے موٹے آنسو نیچے ڈھلک آئے۔ وہ خاوند کی طرف دیکھنے کا حوصلہ تک اپنے میں نہ پاتی تھی۔

"میگڈا سُنو" ایوان نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "میں بڑی دیر سے تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اس دنیا میں کتنے یتیم بچے ہیں جن کا کسی سے کوئی رشتہ نہیں اور وہ زندگی کی سب سے زیادہ ضروری چیز سے محروم ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ پیار اور احتیاط کے رکھ رکھاؤ کا کیا مطلب ہے اور چونکہ ہمیں خود اپنا کنبہ نصیب نہیں ہوا اور ہماری دیکھ بھال کے لئے کوئی بچہ بھی نہیں ہے۔ کیا ہم کسی ایسے یتیم بے گھر بچے کو گود نہیں لے سکتے۔ یہ بات ہمارے لئے بہت ہی زندگی بخش ہوگی"

میگڈا نے جواب نہ دیا لیکن اس کے سینے کا اُتار چڑھاؤ اس کے جذبات کی گہرائی کو ظاہر کر رہا تھا۔ اس کے خاوند کے الفاظ نے اس کے خیالات میں کتنا عظیم طوفان پیدا کر دیا تھا۔

"میگڈا تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کیا تم اس تجویز سے متفق نہیں ہو؟ کیا تمہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں؟"

"جیسے تمہاری مرضی ہو کر لو" اس کے الفاظ بمشکل سُنائی دیئے۔

"آہ مجھے معلوم ہے میگڈا کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گی" ایوان نے نرمی سے کہا "اور اگر تم کو اپنے والدین کا خیال ہے تو یقین رکھو کہ میں اچانک مر بھی گیا تو کنبے میں اس اضافہ سے کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی۔ میں نے تمہارے سمیت سب کے لئے انتظام کیا ہوا ہے" اس نے بڑے اشتیاق سے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا "ایک بے ماں باپ کا بچہ اپنے والدین کو ہم میں پالے گا۔ کیا تم ایسا ننھا گھنگھریالے بالوں والا بچہ تلاش کرنا پسند کرو گی؟"

میگڈا کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں کانپ رہا تھا "ایوان! جیسا بھی تم پسند کرو میں اس سے متفق ہوں"

ایوان خاموش تھا۔ پھر اس نے کہا "تم ایک چھوٹی سی لڑکی پسند کرو گی؟ ایک ایسی ننھی بچی جیسے ہمارے پاس آکر ہوش آئے۔ وہ جلد ہم سے مانوس ہو جائے گی اور اپنے والدین کو ہمارے وجود میں پالے گی۔ ہم اس کا نام اپنے ناموں پر رکھیں گے تمہیں لڑکی ہی پسند آئے گی، کیا یہ درست نہیں میگڈا؟ لڑکی جلد اپنائی جا سکتی ہے۔ تم اسے اپنے ہاتھوں سے کپڑے پہنا سکتی ہو۔ اسے جیسا چاہو بنا سکتی ہو اور اس کے دل و دماغ کو جس سانچے میں چاہو ڈھال سکتی ہو۔ ہاں میرا خیال ہے کہ تم لڑکی سے زیادہ جلدی مانوس ہو جاؤ گی۔ کیوں؟"

اس نوجوان عورت کی آنکھیں دُھندلی سی ہو گئیں۔ اس کے رخساروں پر دو آنسو خشک ہو چکے تھے لیکن لامتناہی درد کا احساس اس کی روح پر طاری ہونا شروع ہو گیا۔ اس کی آنکھیں اپنے قریبی ماحول سے بےخبر تھیں اور کہیں دور لگی ہوئی تھیں۔ اور اس کا دل موت کے سے کرب کے ساتھ کہیں دور پہنچا ہوا تھا۔ اگر اسے کبھی یہ خیال کرنے کی جرأت ہو بھی سکتی کہ   وہ اپنی میگڈا کو اپنا سکے گی یا کبھی کوئی شعاعِ امید اس کے دل کو روشن کر بھی سکتی تھی تو وہ اب معدوم ہو جائے گی!

جو خیال اس کی اپنی بچی کی ملکیت تھا اور جو کچھ آخری دم تک وہ اس کے لئے کر سکتی تھی اب ایک اجنبی بچے کی نذر ہو رہا تھا۔ جو جگہ اس کے خیال میں اپنی بدنصیب ننھی بچی کے لئے تھی اب اسے کبھی نہ مل سکے گی۔ آہ یہ خیال کتنا دردناک ہے! کمزوری کے ایک لمحہ کی یہ کتنی خوفناک سزا تھی کسی دوسرے کے کئے ہوئے گناہ کی کتنی بڑی تلافی! اس کی ننھی میگڈا اب صحیح معنوں میں اس سے چھن جائے گی اور ہمیشہ کے لئے اپنے جائز حق سے محروم کر دی جائے گی۔

اپنے خاوند کے سامنے پشیمان ہو کر اپنے راز کو ظاہر کرنے کا خیال اس کے دماغ میں کوندے کی طرح لپک گیا۔ لیکن اس نے اس خیال کو زبردستی علیحدہ کر دیا۔ ایسے وقت میں جبکہ ایوان ایک نیکی کا کام کرنے کا ارادہ کر رہا تھا اور کسی بدقسمت یتیم کو گھر اور ماں باپ بخش رہا تھا وہ اسے اپنا خوفناک راز بتا کر حیران کیوں کرے۔

ایک طویل وقفے کے بعد بغیر اس کی طرف دیکھے ہوئے اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا "ہاں ایسا ہی کرو"

"کیا تم واقعی ہی ایسا چاہتی ہو؟ لیکن تم میری طرف دیکھتی بھی نہیں ہو؟" رون نے نرم سے طنز کے ساتھ کہا "مجھے معلوم ہے کہ ایسی باتوں کے متعلق گفتگو کرنا کافی مشکل ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ کسی خاص تبدیلی کا امکان نہیں مگر اس کے باوجود اگر تمہیں یہ خیال پسند نہیں   "

کچھ عرصہ بعد جب میگڈا کو اس لمحے کا خیال آتا تو اسے زندگی میں دوسری مرتبہ اپنے جذبات کے ساتھ کی گئی جنگ کا احساس پیدا ہو جاتا ایسی ہی سخت جنگ —— جس کے بعد اس نے ایوان کے ساتھ شادی کرنا منظور کیا تھا لیکن اس جنگ میں اسے رون کا سہارا حاصل تھا اور وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھ سکتی تھی۔ اس نے مضبوط ارادے سے کہا "بالکل نہیں —— میں تم سے مکمل طور پر متفق ہوں"

(باقی آئندہ)



ڈاکٹر رشید انور

میں شاعر

میں شاعر میں فن دا سیوک میں قلمی مزدور
سدھراں دی سولی تے میں آں ویلے دا منصور

وچ ہنیریاں چانن بھاں کنڈیاں چوں مہکار
لہو دیاں لیکاں نال سجاؤنا میں سچے شاہکار
اپنی سوچ دے رنگ محلیں میں قادر، مختار

لافانی شاہکاراں دا میں خالق پر مجبور
اپنی اگ دا آپ پجاری میں اک سڑدا طور

پیار بھلیکے سپاں نوں وی اپنا خون پیاناں
وانگ پیغمبراں پیڑاں لبھ کے اپنے سینے لاناں
اکھیں ویکھ کے اپنے ہتھیں ہس کے موہرا کھاناں

آپے تے جیؤناں ساڑ سہارے جگ نوں دیناں نور
پر وچ پیار، پیار کرن دا سودا ہن منظور

پیار دے پنڈے اُتے بھانویں وقت نے پایاں لاساں
پیار دی دیوی دھکے کھاوے دا بگھر ٹپری واساں
کون کدوں تک روک سکے گا ایہہ کرناں، ایہہ آساں

کالی رات دا انت سویرا، ازلاں دا دستور
کنڈیاں دہنی بیری نوں وی پے جاندا اے بور

ایہہ گل سچ اے گھری رکھدے مینوں دھوت ہنیرے
ڈھیندے ڈھیندے کھولے بن گئے میرے پیار بنیرے
کیہ ہویا جے دل دی نگری دکھاں پالئے ڈیرے

کیہ ہویا جے ٹٹ ٹٹ دا ہو گیاں چکنا چور
ویلیاں مینوں بچھ کے ٹرنا ایں اوہ ویلا نہیں دور

ست بسم اللہ جے سجناں نے راہ وچ گڈے چھپلے
لکھ ودھایاں جندے جے کر لیکھ بنے اکلاپے
اپنے آپ تے کر سکناں واں لوکو آپ سیاپے

میرے پیار دا پلا رہنا ایں ہر ویلے بھرپور
جی سکناں واں سینے لاکے یاداں دے ناسور

اج بھے تے کالکھ کھنڈی انور چڑھدے لہندے
پیار دا سورج چڑھ کے رہنا ایں لوک سیانے کہندے
میں سنیا ایں اکو جہے دن کدی نہیں کدھرے رہندے

غم دے ویہڑے تانی رکھ توں سدھراں دا تندور
جگ تے لاگو ہو کے رہنا ایں خوشیاں دا منشور

میں شاعر ہوں

میں شاعر ہوں، فن کا خادم اور قلم کا مزدور ہوں
میں ارمانوں کی سولی پر وقت کا منصور ہوں
میں اندھیروں میں سے روشنی اور کانٹوں میں خوشبو تلاش کرتا ہوں
میں اپنے لہو کی لکیروں سے عظیم شاہکار سجاتا ہوں
میں اپنی سوچ کے رنگین محلوں میں خود مختار ہوں
میں لافانی شاہکاروں کا خالق ہوں مگر مجبور ہوں
میں اپنی آگ کو خود ہی پوجنے والا ایک جلتا ہوا طور ہوں
پیار کے دھوکے میں سانپوں کو بھی اپنا خون پلا دیتا ہوں
پیغمبروں کی طرح غم و آلام کو تلاش کر کے اپنے سینے سے لگا لیتا ہوں،
اپنے ہاتھوں دیکھ بھال کر بھی مسکرا کر زہر پی لیتا ہوں
خود جلن کے سہارے زندہ رہ کر دنیا کو روشنی عطا کرتا ہوں
لیکن محبت میں کسی سودا بازی کو منظور نہیں کر سکتا
وقت نے محبت کے بدن پر اپنے قسم کے نشان ڈال دیے ہیں
محبت کی دیوی خانہ بدوشوں کی طرح دھکے کھا رہی ہے
مگر ان کرنوں کو کون کب تک روک سکے گا
روز ازل سے یہ دستور ہے کہ کالی رات کا انجام سویرا ہی ہوتا ہے
کانٹوں سے بھرپور بیری کو بھی پھل لگ جایا کرتا ہے
یہ درست ہے کہ مجھے اندھیروں نے گھیر رکھا ہے
میرے پیار کے محل ڈھ کر کھنڈر بن گئے ہیں
مگر کیا ہوا اگر دل کی نگری میں دکھوں نے ڈیرے ڈال دیے ہیں
کیا ہوا اگر میں ٹوٹتے ٹوٹتے چور چور ہو گیا ہوں
مگر ایک وقت آئے گا جب وقت میرے اشاروں پر چلا کرے گا
دوستوں نے میری راہ میں کانٹے بکھیرے ہیں میں خیر مقدم کرتا ہوں
اے زندگی تجھے لاکھ بار مبارک ہو کہ تنہائیاں تمہارا مقدر بنی ہیں
میں اپنے آپ پر خود ہی ماتم کر سکتا ہوں
میرے پیار کا دامن ہر وقت بھرا رہے گا
میں یادوں کو سینے سے لگا کر زندہ رہ سکتا ہوں
اے انور آج زمانے پر اندھیرا چھایا ہوا ہے
مگر دانشمند لوگ کہہ رہے ہیں کہ محبت کا سورج طلوع ہو کر رہے گا
میں نے بھی سنا ہے کہ سدا ایک جیسے دن نہیں رہا کرتے
تو اپنے غم کے آنگن میں ارمانوں کا تنور جلائے رکھ
اس جہان پر ایک دن خوشیوں کا منشور لاگو ہو کر رہے گا۔

فرح شہزاد

ایک کرن اُجالے کی

میرے محبوب یہ وہ عالم جاوید ہے جہاں انسان مرتا نہیں بلکہ جانکنی کی حالت میں زندگی بسر کرتا ہے ؟

آج جبکہ تیری یادوں کے گہرے نقوش راکھ تلے چھپی چنگاری کی طرح ہلکے ہلکے سلگنے لگے ہیں تو ماضی کا ایک ایک لمحہ تخیلات کے سمندر کی اتھاہ گہرائیوں سے اُبھر کر میری آنکھوں میں رقصاں ہو گیا ہے، تم جو حساس طبیعت کے مالک تھے دوسروں کی بے بسی پر اکثر تمہاری آنکھیں پُرنم ہو جاتی تھیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ یہ نمی قلم کی نوک میں سے ہوتی ہوئی صفحۂ قرطاس پر بکھر جاتی تھی۔ آج جبکہ میں ان تمام باتوں پر غور کرتا ہوں تو تمہاری عظیم شخصیت سے متاثر ہو کر فخر سے میرا سر بلند ہو جاتا ہے، اور میں ان سلگتے ہوئے شعلوں کو سمیٹ کر ماضی کے غمناک دھندلکوں میں کھو جاتا ہوں۔

مجھے وہ دن آج بھی یاد ہے میرے رفیق ! جبکہ گردشِ حالات سے تنگ ہو کر تم نے روزی کی تلاش میں دھان کی سنہری وادیوں کو چھوڑا تھا پٹ سن کی کہکشاں کو خیرباد کہا تھا، تلاش معاش میں تم پردیسی بن گئے تھے، اجالے کی تمنا لے کر روشنی کی کھوج میں لیکن یہاں آنے کے بعد جیسے تمہاری آرزومند زندگی میں موت کی سی خاموشی منجمد ہو گئی۔ تمہارے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا رہا۔ رشتہ داروں نے تمہاری مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک لڑکی سے شادی کی پیش کش کی۔ خاندان میں ایک سے ایک حسین لڑکیاں تھیں، جن میں پھولوں جیسی شگفتگی اور شبنم جیسی پاکیزگی تھی، لیکن تم نے کبھی ان کی پیش کش منظور نہ کی۔ کیونکہ تمہارے دل میں تو زیبو کی مسکراہٹیں گھر کر چکی تھیں۔ تمہاری ہر دھڑکن زیبو کی ہر دھڑکن سے کس قدر ہم آہنگ تھی۔ زیبو سے تمہیں والہانہ محبت جو تھی۔

محبت تو ایک ایسا پاکیزہ جذبہ ہے جو مرنے کے بعد بھی منقطع نہیں ہوتا۔ چاہے محبت محبوبہ کی ہو یا گھر کے افراد کی سچ پوچھو تو تمہاری زندگی کا تاج محل انھیں بے لوث محبت کی دیواروں پر تعمیر ہے۔ ماں، باپ کی محبت، بھائی بہنوں کی محبت، محبوبہ کی محبت غرضیکہ انگنت محبتیں جن کا کوئی شمار نہیں اور ہم انھیں محبتوں کی چھاؤں میں زندگی بسر کرتے ہیں، محبت کے سوا انسان کا جینا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، کیونکہ محبت زندگی ہے اور زندگی محبت کا دوسرا نام تم اپنی محبت کے تاج محل کو مسمار ہوتا ہوا کیونکہ دیکھ سکتے ہو۔ تم ایک ایسے شاہجہاں تھے جن کا سرمایہ آنسو اور بھوک کے سوا کچھ بھی نہ تھا، تم اپنی زیبو کیلئے اپنی محبت کا تاج محل کیسے تعمیر کر سکتے تھے۔

جب رشتہ داروں نے تمہیں گھر چھوڑنے پر مجبور کیا تو تم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، پردیس میں کوئی اپنا نہ تھا اور پھر قسمت کے اندھیرے میں تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے، تمہاری آنکھیں جن میں نہ جانے مسرتوں کی کتنی جنتیں آباد تھیں اب ویرانیوں کا گہوارہ بن چکی تھیں۔ مجھ سے تمہاری بدحالی دیکھی نہ گئی۔ میں نے تمہیں سہارا دیا۔ بھلا میں بھی کیا کر سکتا تھا، جبکہ میری آمدنی بھی محدود تھی، اس وقت میں ایک درزی کی دکان پر پچاس روپے پر ملازم تھا۔ سلائی مشین کے ساتھ میری زندگی بھی ایک مشین بن گئی تھی۔ بے جان پتھر، بے حس و حرکت۔ تم ہی بتاؤ اس گرانی کے دور میں کاغذ کے چند ٹکڑوں سے چار افراد کے پیٹ کی آگ بھلا کیسے بجھ سکتی ہے؟ اس لئے ششما بھی پہلے پہل تمہاری آمد پر ناک بھوں چڑھاتی رہی اور مجھے بُرا بھلا کہتی رہی، لیکن میں نے ششما کی ایک نہ چلنے دی، تم ننھے پال سے گھُل مِل گئے، اور وہ بھی تم سے بہت جلد مانوس ہو گیا اس کے ساتھ تم بھی بچّوں کی طرح کھیلنے لگے۔ پال جو ہمارے گھر کا ننھا چراغ ہے۔ جسے نہ ہم گلیکسو پلا سکتے تھے اور نہ ہی اچھی غذا کیونکہ گلیکسو بازار میں ملتا ہی نہیں تھا اور جو بازار سے خریدنے کی مجھ میں سکت نہیں تھی پال کی پیاری پیاری باتوں میں کھو کر تم اپنے غم کو بھول جانے کی کوشش کرتے گھر کی بگڑی ہوئی اقتصادی حالت دیکھ کر تم اور پریشان ہو گئے۔ تم نے امید کے ہر دروازے پر دستک دی۔ روشنی کی ہلکی سی کرن دیکھ کر دیوانہ وار اس کی جانب لپکتے۔ جیسے چیل گوشت کا ٹکڑا دیکھ کر منڈلاتی ہے۔ تم تو روشنی کے متلاشی تھے لیکن تمہیں انگارے ملتے رہے جن میں تمہارے ارمانوں کا خون مضمر تھا۔ تم نے چاند ستاروں کی تمنا کی لیکن تمہیں راتوں کی سیاہی کے سوا کچھ نہ ملا۔ تمہارے پاس یونیورسٹی کی سند تو تھی، لیکن رشوت اور سفارش کیلئے رقم نہ تھی پھر آج کے سرمایہ داری دور میں صرف سند رکھنے سے کیا ہوتا

ہے - دام بنا بھو کے پیٹ ڈکار والی بات ؟ پھر تم مل مزدوروں میں شامل ہو گئے ان کے جلسوں میں شرکت کرنے لگے، تمہاری نظمیں جنہیں تم اکثر جلسوں میں جھوم جھوم کر پڑھا کرتے تھے، تمہارے تخیلات کی ترجمانی کرتی تھیں - ایک دن میں نے تمہیں منع کیا تو تم نے ایک لمبا چوڑا لیکچر جھاڑ دیا میں تم سے الجھ کر تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا - خاموش رہنے میں ہی مصلحت جانی - پھر ایک دن تم روپوش ہو گئے نہ جانے کہاں ؟ میں نے تمہیں بہت تلاش کیا - بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ راج گھاٹ چلے گئے ہو - ہڑتال میں شریک ہونے - ایک ہفتہ بعد جب تم آ گئے تو تمہاری حالت ہی بدلی ہوئی تھی آنکھوں میں ویرانی چہرے پر اداسی، گرد آلود بال، کپڑے گندے بالکل اس راہی کی طرح جو کوسوں کی مسافت پیدل طے کر کے آیا ہو - تم صحن میں ننھے بال سے کھیل رہے تھے - بال تمہاری پیٹھ پر بیٹھا ہوا تھا اور تم گھوڑا بنے ہوئے تھے، میں اُسی وقت اسپتال سے ششما کی دوا لیکر آیا تھا ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا آنکھوں ہی آنکھوں میں انگنت سوال ہوئے مگر دونوں کی زبان گنگ رہی - کمرے میں ششما کھاٹ پر پڑی کراہ رہی تھی - ششما بیمار تھی اور بیماری دن بدن جڑ پکڑتی جا رہی تھی - بھلا خیراتی ہسپتال کی دوا سے کیا فائدہ ہوتا - جس میں پانی کی مقدار زیادہ اور دوا برائے نام ہوتی ہے، میرے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ شہر کے کسی اچھے ڈاکٹر کا علاج کرواتا کئی دن اور بیت گئے، ششما اچھی نہ ہو سکی پھول سا چہرہ مرجھا گیا - آنکھوں کی گہرائیوں میں خزاں مسلط ہو گئی چراغ کا تیل ختم ہو رہا تھا اور چراغ دھیرے دھیرے بجھ رہا تھا -

پھر ایک دن ششما کی حالت بہت نازک ہو گئی پڑوسی کہہ رہے تھے، کہ اگر آج دوا نہ ملی تو ششما ہمیشہ کیلئے ـــ میں پہلے ہی دوستوں کے قرض کے بوجھ تلے دب چکا تھا - اب مزید قرض ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی - پھر بھی ششما کی خاطر اپنی زندگی کی خاطر دوستوں کے دروازے کھٹکھٹائے، لیکن بے سود ـــ قسمت کی ستم ظریفی کو دامن میں بھرے کمرے میں ایک طرف دیوار سے ٹیک لگائے تفکرات میں غرق بیٹھا تھا اور ناقابل حل معمہ کا مبہم ساحل تلاش کر رہا تھا شدت غم سے مجھ پر سکتہ طاری تھا، ششما کے سارے زیورات جو وہ شادی کے دن پہنے دلہن بنی ہوئی تھی پہلے ہی سیٹھ کی تجوری میں جا چکے تھے - کمرے میں عجیب قسم کی پراسرار خاموشی مسلط تھی - حالات نے ماحول کو اور بھی پُراسرار بنا دیا تھا - صرف گھڑی کے پینڈولم کی طرح ششما کے سانس کی اکھڑی اکھڑی آمد و رفت کمرے میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی - اور تم کھلی کھڑکی کے پاس کھوئے کھوئے سے کھڑے دور افق پر یوں گھور رہے تھے جیسے کوئی کھوئی ہوئی شے تلاش کر رہے ہو - لمحہ بہ لمحہ چہرے پر غم و یاس کے بادل چھا رہے تھے پھر تم اچانک کتابوں کی جانب لپکے اور برق رفتاری سے بے ترتیب بکھری ہوئی کتابوں اور رسالوں کو بٹور کر ایک بڑی سی گٹھری بنا کر باہر نکل گئے میرے بدن میں بجلی کوند گئی - میں بھی لپک کر دروازے پر آ گیا اور دہلیز پر کھڑا تمہیں سر پر گٹھری اٹھائے جاتے ہوئے دیکھتا رہا جب گلی کے موڑ پر تم میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو تمہارا خلوص تمہاری قربانی دیکھکر میری آنکھیں بھیگ گئیں، ایک گھنٹہ بعد تم ڈاکٹر کے ہمراہ آ گئے ڈاکٹر نے ششما کا معائنہ کیا اور پھر ایک کاغذ پر دوا لکھکر اور اپنی فیس لیکر چلا گیا - تم نے ڈاکٹر کی چٹ اور بیس روپے میری جانب بڑھاتے ہوئے ڈوبی آواز میں کہا "بازار سے یہ دوا فوراً لے آؤ - ایک بار پھر میری آنکھیں نمناک ہو گئیں - ہونٹ کپکپا کر رہ گئے - میں ابھی چٹ اور روپے لیکر بازار جانے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی - پولیس انسپکٹر کے ہاتھوں میں تمہارے نام کا وارنٹ تھا - ہمارے چہرے اور بھی اتر گئے - ہم نے ایک لفظ بھی نہ کہا - جیسے زبان گنگ ہو گئی تھی - تم بھیگی بھیگی آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے جیپ میں بیٹھ گئے اور جیپ گرد و غبار کے بادل اڑاتی ہماری بے لبی پر قہقہے لگاتی تمہیں ہم سے دور لے گئی، دور ـــ بہت دور اور میں غم کی تصویر بنا دہلیز پر کھڑا تمہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا، آج تمہیں گئے ایک عرصہ گزر چکا ہے میرے رفیق !

لیکن میرے رفیق ! وقت کی رفتار تو پتھروں میں بھی جان پیدا کر دیتی ہے اور بے جان پتھر بھگوان کا روپ اختیار کر لیتے ہیں - بنگال کے سرسبز و سنہرے کھیت جو کبھی کسان کا پسینہ پی کر لہلہایا کرتے تھے - اب کیوں ان کا خون چوسنے لگے ہیں ؟ اب بھی بھوکے اور مفلس انسان کلکتے کی گلیوں اور شاہراہوں پر خارش زدہ کتوں کی طرح موت کے عمیق غار میں پڑے گھٹ گھٹ کر دم توڑ رہے ہیں - زندگی سسک رہی ہے، آخر وہ وقت کب آئے گا میرے محسن ؟ جب نہ زندگی گھٹ گھٹ کر دم توڑے گی اور نہ تم جیسے رفیقوں کو جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند ہونا پڑے گا - مجھے تو بے چینی سے اس وقت کا انتظار ہے میرے دوست جبکہ زندگی مسکراہٹوں کی چاندنی میں جھومے گی، گیت گائے گی - آخر وہ وقت کب آئے گا ـــ ؟ وہ سحر کب طلوع ہو گی - وقت کی آواز کو کب تلک یونہی دبایا جائے گا - کب تلک ـــ آخر کب تلک ـــ میرے محبوب ـــ ،



خبرنامہ

داؤد کاٹن ملز کے مزدوروں کو انتشار کا نشانہ بنانے کی سازش ناکام بنادی گئی

مزدوروں کا شاندار مظاہرہ ایک مزدور کی موت، ڈھائی سو مزدور بخار میں مبتلا ہوگئے۔ عوامی انقلاب زندہ باد (ریاض الحسن)

کراچی ۱۸ر جنوری (نمائندہ منشور) داؤد کاٹن ملز لانڈھی ایک مایہ ناز ٹیکسٹائل ملز ہے۔ پچھلے اٹھارہ سال سے یہاں کے منیجمنٹ نے مزدوروں کو ہٹلر برانڈ گسٹاپو سسٹم میں ملوث کر رکھا تھا۔ دس بارہ ہزار مزدوروں کی گنجائش کے اس کارخانے میں صرف سات آٹھ ہزار مزدوروں سے ان کی پوری صلاحیتوں کو نچوڑ کر کام لیا جاتا رہا ہے لیکن مزدوروں کو یہاں دم مارنے کی اور آواز اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ ملز میں ہمیشہ مزدور ایک دوسرے پر انتظامیہ کے جاسوس ہونے کا شبہ کرتے، اور سہمے ہوئے رہتے۔ سیٹھ صاحبان نے بکمال دریا دلی ایک پاکٹ یونین بنام داؤد کاٹن ملز ورکرز یونین رجسٹرڈ کروا رکھی تھی اور اس کے کرتا دھرتاؤں کو ضمیر فروشی کی قیمت ادا کرنے کے لیے گزشتہ گیارہ سال سے ہر مزدور سے چار آنے ماہانہ جبری چندہ وصول کیا جاتا رہا تھا، لیکن ۱۹۶۸ء کے عظیم عوامی ابھار کے زمانے میں داؤد ملز کے محنت کشوں نے بھی اپنے سروں پر مسلط فاشسٹ گرفت ختم کرنے کے لئے آواز اٹھائی۔ انھوں نے اپنی ٹریڈ یونین بنام داؤد کاٹن ملز لیبر یونین تشکیل دی۔ اور مارشل لاء کے نفاذ کے باوجود اس کی تنظیم میں مصروف رہے۔ اور مالکان کی غنڈہ گردی سازش اور دوسری انتقامی کارروائیوں کے باوجود اپنی جدوجہد جاری رکھی اور بالآخر اپنی یونین کو رجسٹرڈ کروانے میں کامیاب ہوگئے۔ اس سلسلے میں یونین کے جوائنٹ سکریٹری جناب بابو نذیر احمد اور ایک سرگرم کارکن کو نوکری سے ہاتھ دھونا پڑے۔ اس وقت یونین کے اسٹرائیک نوٹس پر مالکان کے اس اعتراض پر کہ ملز میں ایک اور رجسٹرڈ یونین موجود ہے۔ ریفرنڈم کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ لیکن منیجمنٹ اپنی سازشوں میں بدستور مصروف ہے۔ عید سے پہلے مزدوروں کو انتشار کا نشانہ بنانے میں ناکام ہونے کے بعد جس کی تفصیلات ان صفحات میں آچکی ہیں۔ مالکان نے مذہب کے نام پر جماعت اسلامی کی ایک انتشار پسند یونین رجسٹرڈ کروائی ہے۔ یونین کے اسٹرائیک نوٹس کے سلسلے میں بلائی جانے والی جوائنٹ میٹنگ میں داؤد کاٹن ملز لیبر یونین کے نمائندوں نے مالکان پر یہ واضح کردیا تھا کہ رمضان کے مہینے میں دیا جانے والا ایڈوانس کاٹنے کی افواہ پر عمل نہ کریں وہ اس یقین دہانی پر عمل کریں کہ عید الفطر کے موقع پر دیئے جانے والے کپڑے کا تصفیہ ہونے کے بعد یہ رقم وضع کی جائے جو کہ اخلاقی طور پر کمپنی کی ذمہ داری ہے۔

لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ منیجمنٹ نے ہر قیمت پر مزدوروں کے جذبات کو غلط رخ پر ڈال کر مزدور تحریک کو گمراہ کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ کیونکہ ۸ر جنوری کو تقسیم ہونے والی تنخواہ میں سے ایڈوانس کاٹ لیا گیا تھا۔ اس موقع پر داؤد کاٹن ملز لیبر یونین کی اپیل پر مزدوروں نے اس نامنصفانہ اقدام کے خلاف ڈیوٹی سے چھوٹنے کے بعد احتجاجی مظاہرہ کیا اور ایڈوانس کاٹنے کے اقدام کو واپس لینے کا مطالبہ کرتے ہوئے ملز میں دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔ مسلسل چار دن اور چار راتوں تک مزدور بھوک پیاس سے سردی کے مصائب برداشت کرتے ہوئے ملز کے اندر بیٹھے رہے اور ساتھ ہی ڈیوٹی کے وقت متعلقہ شفٹ اسی حالت میں ڈیوٹی بھی انجام دیتی رہی لیکن اس کے باوجود پروڈکشن معمول سے زیادہ رہا۔ اور مظاہرین "چمچہ گیری نہیں چلے گی، ہمارے مطالبات پورے کرو، پاکٹ یونین ختم کرو، مزدور اتحاد زندہ باد، قومی مزدور محاذ زندہ باد" کے فلک شگاف نعرے لگاتے رہے۔ بجائے اس کے کہ منیجمنٹ مزدوروں کے اس خود آزادانہ مظاہرے پر منصفانہ نظر ڈالتے اور ان کے مطالبہ کو جو بالکل جائز تھا پورا کرکے اپنی ہوشمندی کا ثبوت دیتے مالکان نے مزدوروں پر گھیراؤ کرنے اور ملز کی املاک کو نقصان پہنچانے کا الزام عائد کیا اور مزدوروں کو ملز سے باہر نکالنے کے لئے کراچی کے ڈپٹی کمشنر۔ ڈی، آئی، جی پولیس اور دوسرے حکام پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ پہنچ گئے۔ دریں اثنا جناب ڈپٹی کمشنر، کمشنر اور محکمہ محنت کے حکام کے ساتھ قومی مزدور محاذ کے کنوینر زین الدین خاں لودھی، لانڈھی انڈسٹریل ایریا کے علاقائی آرگنائزر جناب عبدالمقیت صدیقی، داؤد کاٹن ملز لیبر یونین کے صدر خواجہ نجیب الدین جنرل سکریٹری عزیز الحسن پروپیگنڈہ سکریٹری ریاض الحسن وغیرہ کی مصالحتی بات چیت ہوتی رہی لیکن مالکان کی ہٹ دھرمی کی بدولت کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ ۱۰ر جنوری کے دن پولیس نے یونین کے جنرل سکریٹری اور مجلس عاملہ کے سرگرم ممبر ارشد رضوی اور قاضی کو پولیس نے چند گھنٹے کے لئے لانڈھی کے پولیس تھانے میں بند کردیا۔

مالکان نے ملز مکمل بند کرکے مزدوروں کو مل سے باہر نکال یا مزدور ملز کے احاطے میں دھرنا دے کر بیٹھ گئے لانڈھی انڈسٹریل ایریا میں ہزاروں مزدوروں نے علاقہ میں جگہ جگہ مظاہرے کئے اور داؤد کے منیجمنٹ کے خلاف آواز بلند کی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ملکی اخبارات نے لانڈھی بھر کے ہزاروں مزدوروں کے اس اقدام کی خبر کو نظرانداز کیا بالخصوص جنگ اخبار نے داؤد کاٹن ملز لیبر یونین اور اس کی حمایت میں دیئے گئے سینکڑوں بیانوں بلیٹنوں کو جنہیں مختلف یونینوں نے جاری کیا تھا نہیں چھاپا اس لئے ان مظاہروں میں جگہ جگہ جنگ اخبارات جلائے گئے اور یوں مزدوروں نے سرمایہ داروں کے دم چھلا اخبارات کے خلاف اپنی نفرت و حقارت کا اظہار کیا۔ ان جلوسوں میں سے ایک جلوس شرکت کرکے واپس آنے والے ایک کارکن محمد منیر پر جماعت اسلامی کی بغل بچہ متوازی مزدور اتحاد کمیٹی کے نام نہاد لیڈر رحیمی خاں نے اپنے غنڈوں کے ساتھ حملہ کیا اور محمد منیر کو زخمی کردیا۔ در آں حال کہ اس تنازعے کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب جنرل ریاض نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مالکان کو حکم دیا کہ وہ ایڈوانس کی کٹوتی پر عمل درآمد روک دیں، اور یہ کہ مزدوروں کے مطالبات کا تصفیہ کروانے کے لئے ملز میں فوری ریفرنڈم کروایا جائے گا۔ لیکن مالکان نے اس واضح حکم کے باوجود ۱۲، ۱۳، ۱۴، جنوری کی تاریخوں میں ملز بند رکھا اور ماہرین کے ذریعے ملز میں ہونے والے نقصانات کا تخمینہ لگانے کے اعلانات کرتے رہے اس جدوجہد میں داؤد کاٹن ملز کا ایک مزدور نیند کی غنودگی میں پیر پھسل کر گرنے سے شہید ہوگیا، اور ڈھائی سو سے زیادہ مزدور ڈبل نمونیہ اور بخار میں مبتلا ہوگئے۔ شہید مزدور کی موت پر تبصرہ کرتے ہوئے قومی مزدور محاذ کے کنوینر زین الدین خاں لودھی نے کہا کہ سرمایہ داروں ہم تمہیں اٹھارہ سال سے اپنا خون پلاتے آرہے ہیں لیکن اب ہم تمہیں یہ اجازت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ملکی قوانین کو پامال کرکے مزدوروں کو ان کے حقوق سے محروم رکھو۔ یونین کے پروپیگنڈہ سکریٹری ریاض الحسن نے داؤد کے مزدوروں کو یونین اور قومی مزدور محاذ کے انقلابی پرچم تلے جدوجہد کا آغاز کرنے پر دلی مبارکباد دی اور اس جدوجہد کو عوامی انقلاب کی طرف ایک قدم قرار دیا اور امید ظاہر کی کہ مجوزہ ریفرنڈم میں داؤد کاٹن ملز لیبر یونین ننانوے فیصدی کی اکثریت سے کامیابی حاصل کرے گی۔

کوہِ نور آئیل ملز ایمپلائز یونین لاہور نے اپنے مطالبات پیش کر دیئے

لاہور، (نمائندہ منشور) کوہ نور ایمپلائز یونین نے مندرجہ ذیل مطالبات انتظامیہ کے سامنے پیش کر دیئے۔

۱- گریڈ بندی کا مسئلہ جلد از جلد مکمل کیا جائے۔ اور نیم تربیت یافتہ اور تربیت یافتہ مزدوروں کے گریڈ پر دوبارہ نظر ثانی کر کے جلد از جلد لاگو کئے جائیں نیز نیم تربیت یافتہ اور تربیت یافتہ مزدوروں کی تنخواہوں میں واضح فرق رکھا جائے۔

۲- تنخواہ کا بیس فیصد کی شرح سے مہنگائی الاؤنس دے کر اس کو یکم جنوری سنہ ء سے بنیادی تنخواہ میں شامل کیا جائے۔

۳- ملازمین کو جتنے عرصے ترقی نہیں ملی۔ موجودہ گریڈ بندی کے حساب سے اتنے سال کی ترقی یکم جنوری سنہ ء سے دی جائے۔

۴- اجارہ دار اور غیر اجارہ دار پلانٹوں میں کارکردگی کا فرق ختم کر کے ملازمین کو ایک جیسا بونس دیا جائے۔

۵- جنوری ۶۵ء/ سے یکم مارچ ۶۹ء/ تک اوور ٹائم گورنمنٹ لاز کے مطابق دوگنا دیا جائے۔ اور بقایاجات تین ماہ کے اندر اندر ادا کئے جائیں۔

۶- جن ملازمین کو کمپنی ٹرانسپورٹ میں سفر کی سہولت مہیا نہیں کی گئی ہیں انھیں کنوینس الاؤنس دیا جائے۔

۷- تمام ملازمین کو پراویڈنٹ فنڈ کے ساتھ گریجویٹی کی سہولت بھی مہیا کی جائے

۸- کمپنی، ملازمین کے ہر بچے کی پیدائش پر میٹرنٹی الاؤنس مروجہ شرح کے مطابق ادا کرے، نیز بچوں کی پیدائش میں تین سال کے وقفے کی پابندی ختم کی جائے۔

۹- پاکستان کے پس ماندہ علاقوں میں میڈیکل اخراجات حکیموں اور دیگر معالجوں کے بلوں کے مطابق ملازمین کو ادا کئے جائیں۔

۱۰- شفٹوں میں کام کرنے والے ملازمین کو شفٹ الاؤنس دیا جائے۔

۱۱- فرٹاز۔ آؤٹ مکینکس اور پلانٹ ورکرز جو کہ تیل کے شعبوں میں کام کرتے ہیں انھیں وردیاں مہیا کی جائیں۔

۱۲- خزانچی کو (shortage) الاؤنس دیا جائے۔

۱۳- سال میں بارہ دن کی بیماری کی چھٹی دی جائے جو کہ تین سال تک اکٹھی کی جا سکے۔

۱۴- کالونی میں مسجد کیلئے پیش امام رکھا جائے جو کہ کسی مذہبی ادارے سے سند یافتہ ہو اور بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دے سکے۔

۱۵- ملز کی انتظامیہ یکم جنوری سنہ ء سے پہلے ملز میں کینٹین کا بندوبست کرے۔ جس میں سستا کھانا اور چائے دستیاب ہو نیز اشیائے خوردنی کی قیمت کا ۳/۱ حصہ لیبر ویلفیئر سے مہیا کرے۔

۱۶- فیئر پرائس شاپس کھولی جائیں۔

۱۷- ایک نئی بس ، دو پک اپ اور ایک نئی بس کا جلد از جلد بندوبست کیا جائے۔

۱۸- چوکیداروں کے لئے موسم سرما اور موسم گرما میں دو۔ دو وردیوں کا بندوبست کیا جائے۔

۱۹- گھی پلانٹ کی سیڑھیوں پر کارپٹ لگائے جائیں۔

۲۰- کھیل کے لئے گراؤنڈ اور ہر قسم کے کھیل کے لئے سامان مہیا کیا جائے اور بچوں کے لئے پارک بنایا جائے۔

۲۱- پرانی میس کو کالونی کلب بنایا جائے، جس میں اِن ڈور کھیلوں کے لئے سامان مہیا ہو نیز ایک ٹیلی ویژن سیٹ بھی لیا جائے۔

۲۲- سی ٹائپ کوارٹروں میں باورچی خانہ، غسل خانہ، اور بیت الخلا کی سہولتیں مہیا کی جائیں اور چہار دیواری بنائی جائے۔

۲۳- رات کے وقت ایک گاڑی ہر وقت موجود رہے تاکہ ایمرجنسی کی حالت میں فوری طور پر حاضر ہو سکے۔

۲۴- ڈسپنسری میں دو عدد بستروں (موسم کے مطابق) کا بندوبست کیا جائے۔

۲۵- پروڈکشن ڈویژن کے لئے مشترکہ طور پر ایک لیڈی ڈاکٹر ہمہ وقتی ملازم رکھی جائے۔ جو کہ ملز کالونیوں اور گرد و نواح میں رہنے والے ملازمین کے اہل و عیال کو طبی امداد مہیا کر سکے، نیز ایک زچہ بچہ سنٹر کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۲۶- ملز ڈسپنسری عرصہ ۶ ماہ سے بغیر سند یافتہ ڈسپنسر کے چل رہی ہے لہٰذا جلد از جلد ایک سند یافتہ ڈسپنسر کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ تاکہ ڈاکٹر کی غیر موجودگی میں ہنگامی ضروریات پوری ہو سکیں اور ڈسپنسر کو مل کالونی میں رہائش مہیا کی جائے۔

۲۷- آئل ملز سیکشن کے تمام پلانٹ بند پڑے ہیں جن کو بند ہوئے ۶ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے ان کی مشینری ایشیا بھر میں اعلیٰ درجے کی ہے۔ ملکی بنولہ اور مونگ پھلی سے تیل حاصل کرنے کی ایسی صلاحیت کسی دوسری مشینری میں موجود نہیں کیونکہ ہم درآمد شدہ تیلوں سے گھی تیار کر کے قومی زرمبادلہ خرچ کرتے ہیں لہٰذا اس مشینری کے صحیح استعمال سے ایک طرف ملک کا زرمبادلہ بچایا جا سکتا ہے اور دوسری طرف ملکی خام مال کی بہتر طور پر کھپت کی جا سکتی ہے اور اس سے حاصل شدہ [illegible] میل کو برآمد کر کے زرمبادلہ بھی کمایا جا سکتا ہے جو کہ فی الحال پلانٹوں کے نہ چلنے سے بند ہے۔ اس مشینری پر اگر ہمہ وقتی تین شفٹوں میں کام کیا جائے تو تقریباً تین سو گھرانوں کو روزگار مہیا ہو تا ہے اور ان شعبوں کا بند رہنا انڈسٹریل ریلیشنز آرڈیننس ۶۹ء میں دی گئی لاک آؤٹ کی تعریف میں آتا ہے۔ اس لئے جلد از جلد بنولہ اور مونگ پھلی کی خرید کر کے ملکی ذرائع سے تیل کی پیداوار بڑھائی جائے کیونکہ یہ گھی پلانٹ کی پیداوار بڑھانے میں مدد دے گی اور جو ورکرز گزشتہ سال ان پلانٹوں میں خام مال نہ ہونے کی وجہ سے بے روزگار ہو گئے تھے دوبارہ برسرِ روزگار ہو سکیں گے۔

۲۸- کوہ نور آئیل ملز گھی پلانٹ کی پیداواری صلاحیت جو کہ سرکاری طور پر مقرر ہوتی ہے تقریباً ۱۹ ٹن روزانہ ہے جس سے ۳۰۰ دن کے اوقات کار میں ۵۷۰۰ ٹن گھی کی پیداوار حاصل کی جاتی ہے برآمدی تیل کا کوٹہ تقریباً تین ہزار ٹن سالانہ ہے اگر تیل نکالنے والی موجودہ مشینری اپنی پوری پیداواری صلاحیت کے مطابق استعمال کی جائے تو تقریباً ۷۰۰۰ ٹن تیل ملکی خام مال سے با آسانی حاصل کیا جا سکتا ہے اس طرح گھی پلانٹ کو روزانہ ۳۰ ٹن تک ۳۰۰ دنوں کے لئے آسانی سے تیل دستیاب ہو سکتا ہے۔

ملک میں اشیائے خوردنی کی شدید قلت ہے جس میں بناسپتی گھی سرفہرست ہے اس لئے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اس پلانٹ کی پیداوار میں موجودہ پیداوار سے اوپر بیان کی گئی تجویز کے مطابق ۱۱ ٹن روزانہ کا اضافہ کر کے اس قلت کو دور کیا جائے۔ اور اس طرح سے اخراجات میں اضافہ کئے بغیر پیداوار کو آسانی سے بڑھایا جائے۔

۲۹- حال ہی میں پروڈکشن ڈویژن ہیکل کیمیکل کا بیلکس کالاشاہ کاکو میں کوہ نور آئل ملز کے شعبوں کو کوہِ نور ریان کالاشاہ کاکو میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ انتظامیہ کا

یہ فیصلہ مل ملازمین اور یونین کے مفاد کے خلاف ہے' اس سلسلے میں گزشتہ ایک ہفتے سے مصالحت کی گفت وشنید ہوتی رہی ہے۔ جس میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس لئے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ انتظامیہ زبانی کئے گئے وعدوں کی تحریری طور پر توثیق کرے جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

الف) مختلف شعبوں کو یکجا کرنیکے بہانے ملازمین میں تخفیف نہیں کی جائیگی یعنی تمام ملازمین کو ملازمت کا تحفظ حاصل ہوگا۔

ب) پروڈکشن ڈویژن میں منتقل ہونے والے ملازمین کی حیثیت ملازمت کو تبدیل نہیں کیا جائیگا اور ان کا ملز کے ساتھ بدستور رابطہ قائم رہے گا۔

ج) ملز ملازمین کو مجوزہ تبدیلی کے باعث پیش آنے والی تکالیف مثلاً میڈیکل بلوں اور دوسرے واجبات کی ادائیگی میں دشواری وغیرہ کا سدباب کرنیکے لئے انتظامیہ نے جو تجاویز مرتب کی ہیں ان کا واضح اعلان کرے۔

د) انتظامیہ نے وعدہ کیا ہے کہ مجوزہ تبدیلی کے بعد یونین کے دفتر کے لئے کوہ نور آئیل مل کے اندر جگہ فراہم کی جائے گی۔ نیز صدر اور جنرل سکریٹری یونین کو مل کے اوقات کار کے دوران ورکرز سے رابطہ قائم کرنے کی اجازت ہوگی۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ملز انتظامیہ اس سلسلے میں طے شدہ طریقے اور اوقات کار کا واضح تعین کرے۔

کریم سلک ملز کے مزدوروں نے ہڑتال پر جانے کا اعلان کردیا

کراچی ۲۵ جنوری (اسٹاف رپورٹر) کریم سلک ملز ورکرز یونین کے ایک جلسہ عام زیر صدارت صدر یونین منظور حسین فاروقی میں مالکان کی ہٹ دھرمی اور یونین کے پیشکردہ مطالبات کی فہرست پر بات چیت کے بعد مطالبات پورے کرنے سے انکار پر انتظامیہ کی سخت اور پرزور الفاظ میں مذمت کی گئی اور مکمل اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ مالکان کو ۲۱ دن کا ہڑتال نوٹس دیا جائے۔ اور اس کے بعد کریم سلک ملز کے مزدور اس وقت تک ہڑتال پر چلے جائیں گے جب تک کہ ان کے مطالبات جن میں بونس یا تنخواہ چھٹیوں۔ تنخواہوں اور دوسری سہولتوں میں اضافے کے مطالبات بھی شامل ہیں پورے نہیں کر دیئے جاتے۔ جلسہ عام میں قومی مزدور محاذ کے آفس سکریٹری غیاث الدین نے بھی خصوصی دعوت پر تقریر کی اور کہا کہ پچھلے اور موجودہ قوانین اور لیبر قوانین سب سرمایہ دار طبقے کے مفادات کی حفاظت کر رہے ہیں اور سرمایہ داران کی حفاظت میں تیزی سے کروڑپتی اور ارب پتی بن رہے ہیں۔ لیکن آج سرمایہ داروں کو تالہ بندی، چھانٹی، غنڈہ گردی، اور انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنانے کی کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے اور مختلف ذرائع سے مزدور رہنماؤں، کارکنوں منصفانہ ہڑتالوں اور گھیراؤ کی مخالفت کی جارہی ہے لیکن سرمایہ داروں نے یہ متفقہ فیصلہ کرلیا ہے کہ مزدوروں کے مطالبات پورے نہیں کریں گے۔ مزدور کچلے گی نہ تحریک انہوں نے متنبہ کیا کہ اس سازش کے تباہ کن اور سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں جس کی پوری ذمہ داری مالکان اور ان کے حامی عناصر پر عائد ہوگی، جلسہ عام میں کریم سلک ملز ورکرز یونین کے جنرل سکریٹری حبیب الرحمٰن، محمد یوسف اور حیدر شاہ نے بھی خطاب کیا نور سلک ملز لیبر یونین کے جنرل سکریٹری محمد مکی نے بھی خطاب کیا اور کریم کے مزدوروں کو اپنی پوری حمایت کا یقین دلایا۔ اور مطالبہ کیا کہ شالیمار سلک ملز، کراؤن سلک ملز، نارس ساڑھی ہاؤس، حاملہ ہیکیجز۔ پاکستان بیوریج کھوکھر گلاس ورکس۔ کریسینٹ سوپ ورکس، ہکوبیچ پرنٹنگ پریس۔ ایمپلائز یونین اور دوسرے تمام ہڑتالی مزدوروں کے مطالبات پورے کئے جائیں۔ قومی مزدور محاذ ملتان کے کنوینر اشرف حسین رضوی، اشفاق احمد ایڈوکیٹ۔ اور محمود بابر۔ کراچی کے عثمان بلوچ، شاہ رضا خاں، ظہیر اختر سیدری، محمد یامین فقیر الرحمن سمیت پاکستان بھر میں گرفتار شدہ مزدوروں اور مزدور رہنماؤں کو غیر مشروط طریقے سے رہا کیا جائے۔ واضح رہے کہ گذشتہ ماہ کریم سلک ملز ورکرز یونین کا ایک جلسہ عام ہوا تھا جس میں مندرجہ ذیل عہدیداران منتخب ہوئے تھے۔ صدر منظور حسین، نائب صدر زبیر احمد۔ جنرل سکریٹری حبیب الرحمٰن۔ جوائنٹ سکریٹری محمد قاسم۔ خزانچی شادی خان۔ پروپیگنڈہ سکریٹری انیس الرحمٰن۔

مجلس عاملہ۔ محمد یوسف، انوار الحق، شبیر حسین، محمد سعید، محبوب، محمد تقی، محمد بشیر۔

جناب عبدالحمید کو قتل کرنے کی دھمکی کی مذمت

کراچی۔ ۲۱ جنوری (نمائندہ منشور) کھوکھر گلاس ورکس مزدور یونین کے صدر عبدالعزیز، جنرل سکریٹری جناب مفضل واحد۔ ڈائمنڈ گلاس ورکس ورکرز یونین کے صدر جناب شوکت صاحب اور جنرل سکریٹری اکبر صاحب پاک گلاس ورکس یونین کے صدر عبدالجبار صاحب اور جنرل سکریٹری مظہر الحق، انور گلاس ورکس یونین کے صدر محمد شریف نائب صدر محمد رفیق اور جنرل سکریٹری محمد اکرم نے ایک مشترکہ اخباری بیان میں ملک کے متمول اور سربرآوردہ سرمایہ دار فیملی اور منظور گلاس اینڈ سٹرک ورکس کے مینجمنٹ کی طرف سے ملازمین کی واحد نمائندہ یونین۔ بنام منظور گلاس اینڈ سرامک ورکرز یونین کے صدر صاحب کے ساتھ غنڈہ گردی کرنے اور انھیں قتل کرنے کی دھمکی دینے کی حرکتوں کی سخت اور پرزور الفاظ میں مذمت کی ہے اور اسے مالکان کی طرف سے مزدور تحریک پر ناروا اور بزدلانہ حملہ سے تعبیر کرتے ہوئے متنبہ کیا گیا ہے کہ اس طرح کی حرکتوں کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے جس کی پوری ذمہ داری منظور گلاس کے مینجمنٹ اور ان کے حامی عناصر پر عائد ہوگی۔ مزدور رہنماؤں نے صنعت کاروں کی طرف سے منصوبہ بندی کے تحت مزدوروں کی قانونی ہڑتالوں، صحیح یونینوں اور منصفانہ مطالبات کو تسلیم نہ کرنے اور انھیں نقصان پہنچانے کی کوششوں کی سخت اور پرزور مذمت کی اور مشورہ دیا کہ کارخانہ دار مزدوروں کے مطالبات تسلیم کر کے تعلقات کو بہتر بنائیں اور شر انگیزی سے باز آجائیں بیان کے آخر میں کھوکھر گلاس کے ہڑتالی مزدوروں کو مکمل حمایت کا یقین دلاتے ہوئے ان کی حمایت میں ہر ممکن قدم اٹھانے کا اعلان بھی کیا گیا ہے۔

بقیہ سونے کی دلدل

اپنے خالقوں کے حلقوم پر پنجے گاڑ رہا ہے۔ اس عذاب سے نکلنے کیلئے امریکی اجارہ دار سرمایہ داروں کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ درآمدات میں کمی کریں۔ مئی ۱۹۶۹ میں امریکی کانگریس میں تین سو بل اس مقصد کے لئے پیش کئے گئے اور غیر ملکی درآمدات پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا گیا اس قسم کے اقدامات سے متاثر ہونے والے مغربی ممالک نے فوری طور پر ان تجاویز کے خلاف نفرت و ناراضگی کا اظہار کیا اور امریکی حکومت کو متنبہ کر دیا کہ اگر ان ممالک سے درآمدات بند یا محدود ہو گئیں تو وہ بھی یہی سلوک امریکی برآمدات کے ساتھ کریں گے۔ اسطرح ان بڑے سرمایہ دار ممالک میں اپنے باہمی تضادات کی بنا پر معاشی میدان میں جنونی انداز کی ریس جاری ہے ڈوٹنے والے تھکے ہوئے ہیں، ہانپ رہے ہیں، بلکہ لڑکھڑا رہے ہیں۔ لیکن اجارہ دارانہ اور سرمایہ دارانہ مفادات کی ہوس میں دوڑتے پر مجبور ہیں حالانکہ یہ دوڑ انھیں صرف ان کی قبروں تک لے جارہی ہے۔

اس وقت سامراجی اور سرمایہ دار ممالک ایک ایسے مرحلے پر ہیں جہاں ایک طرف عوامی بیداری اور محنت کش طبقوں کی جد وجہد کا آتش فشاں ہے اور دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام کی وہ سونے کی دلدل ہے جس میں یہ ممالک گردنوں تک دھنس چکے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کے دن بہر حال پورے ہو چکے ہیں' ضرورت صرف آخری وار کی ہے! ۔ اور یہ وار دنیا بھر کے محنت کش عوام کو ہی کرنا ہے؟

سیکیورٹی پرنٹنگ پریس ایمپلائز یونین کے جنرل سکریٹری اور دوسرے مزدور رہنماؤں کی سزایابی کی مذمت

کراچی۔ ۲۴ جنوری، (نمائندہ منشور) قومی مزدور محاذ کراچی کے کنوینر جناب زین الدین خاں لودھی نے ایک اخباری بیان میں سیکوریٹی پرنٹنگ پریس ایمپلائز یونین کے جنرل سکریٹری جناب محمد یامین اور دوسرے کارکنوں کو سزائیں سنانے کی خبر پر غم وغصے کا اظہار کرتے ہوئے اس اقدام کو نہایت غیر منصفانہ اور مزدور دشمن قدم قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ صنعتی اداروں کی انتظامیہ اور مالکان کی طرف سے مروجہ قانون کی خلاف ورزیوں۔ چھانٹی، تالہ بندی، غنڈہ گردی، اور ظلم وتشدد کے باوجود حکومت کی طرف سے کوئی ایکشن لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی جبکہ صنعتی اداروں اور ان کی انتظامیہ کی رپورٹوں پر ملک بھر میں سیکڑوں مزدور رہنماؤں کو سخت ترین سزاؤں کا نشانہ بنایا گیا۔ لیکن ملک میں لاکھوں مزدوروں کو بیروزگاری کے مسئلے سے دوچار کرنے والے ملز مالکان اور کارخانہ داروں کے ساتھ ساتھ سیکوریٹی پریس کی انتظامیہ سے متعلق شہزادوں کو بھی جن کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ملک کو روزانہ ایک لاکھ روپیہ نقصان ہو رہا ہے۔ کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے اور ان کے ظالمانہ اقدام کے نتیجے میں سیکوریٹی پریس سے متعلق ملازمین اور ان کے بال بچے سخت مشکلوں کا نشانہ بنتے ہوئے ہیں مزدور رہنما نے اپنے بیان میں مزید کہا کہ صنعتی اداروں اور ان کے مالکان کی سرگرمیوں کے نتیجے میں جو موجودہ ناقص لیبر قوانین کی وجہ سے یہ لوگ سرانجام دے رہے ہیں مزدوروں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ وہ ان حرکتوں کا مناسب جواب دیں جس کے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اس کی پوری ذمہ داری صنعت کاروں اور ان کے حامی حکام پر عائد ہوگی۔ انہوں نے قومی مزدور محاذ کی طرف سے سیکوریٹی پریس کے مزدوروں کو مکمل حمایت کا یقین بھی دلایا ہے۔

شالیمار سلک ملز لمیٹڈ کے مزدور ہڑتال پر چلے گئے

کراچی ۱۲ جنوری (نمائندہ منشور) شالیمار سلک ملز مزدور یونین کے مطالبات نوٹس اور ہڑتال نوٹس پر مالکان کی ہٹ دھرمی اور مزدوروں کے منصفانہ مطالبات پر بات چیت کرنے اور سمجھوتہ کرنے سے گریز کے پیش نظر آج رات گیارہ بجے سے ہڑتال پر چلے گئے، یونین کے جنرل سکریٹری حبیب الرحمٰن ہزاروی نے ایک اخباری بیان میں مالکان کے مزدور دشمن رویے پر سخت احتجاج کیا اور کہا کہ مالکان یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ ملز کو بند کر دیں گے لیکن مزدوروں کو ان کا حق نہیں دیں گے، ہم اب ان سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے برطرف عہدیداروں کی کام پر بحالی۔ بونس۔ تنخواہ کے ساتھ چھٹیاں، مہنگائی الاؤنس۔ بس الاؤنس۔ حاضری الاؤنس کی ادائیگی اور دوسرے مطالبات پورے ہونے تک ہڑتال پر رہیں گے۔ ہم مالکان کو یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ شالیمار کے مزدور اکیلے نہیں ہیں بلکہ صنعتی علاقے کے تمام مزدور ہمارے ساتھ ہیں۔

کلری جھیل کی زمین نیلام نہ کی جائے

کراچی، (نمائندہ منشور) قومی مزدور محاذ گھارو انڈسٹریل ایریا کے آرگنائزر جناب یعقوب سندھی نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ کلری جھیل کے آس پاس رہنے والے عوام کے ساتھ عرصۂ دراز سے ظلم وستم ہو رہے ہیں۔ ایک طرف گاؤں جھیل میں تباہ ہو گئے دوسری طرف ذریعہ معاش بھی ختم ہو گیا۔ وہاں کے مقامی عوام کا زیادہ تر گزر بسر زمین کی آبادکاری پر تھا، لیکن ان کی زرخیز زمین جھیل میں تباہ ہو گئی اور لوگوں کا ذریعہ معاش ختم ہو گیا اور ان کو نقصان کا معاوضہ نہیں دیا گیا، صرف چند لوگوں کو دیا گیا جن لوگوں نے نوکر شاہی کو اپنے خوشامدی اور ناجائز طریقوں سے استعمال کیا۔ زیادہ لوگوں کو ابھی تک کوئی معاوضہ نہیں ملا ہے جیسے کہ موسیٰ جاکھر و گوٹھ۔ گھر ٹن گوٹھ۔ چھمب پنیرا گوٹھ اور جن گاؤں کو ملا ہے ان میں سے بھی کافی لوگوں کو گاؤں کے معاوضے نہیں ملے ہیں۔ اس کے علاوہ زمینوں کا معاوضہ چند لوگوں کو ملا ہے وہاں کے عوام کی حالت بہت ہی تشویشناک ہے عرصہ بارہ سال سے لوگ معاشی بدحالی میں مبتلا ہیں ابھی تک لوگ سابقہ تباہی و بربادی کا مقابلہ نہ کر پائے تھے کہ کلری جھیل کے مچھیروں کے سر پر فشریز ڈپارٹمنٹ کو قائم کر کے ان کے موروثی حقوق ضبط کر لئے گئے اور وہاں کے کسانوں کی زمینوں کو نیلام کے ذریعے بڑے جاگیرداروں کے حوالے کرنے کی ناکام سازش کی جا رہی ہے۔ یعقوب سندھی نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ فشریز ڈپارٹمنٹ ختم کر کے موروثی مچھیروں کو حقوق دئے جائیں اور زمینوں کا نیلام ختم کر کے مقامی کسانوں کو زمینیں دی جائیں اور زمین کی رقم تین سال کے بعد آسان قسطوں میں وصول کی جائے اور اس کے علاوہ ایک ایسی کمیٹی بنائی جائے جو صرف مقامی کسانوں پر مشتمل ہو ان کے ماتحت ٹریکٹر اور زراعت کے آلات زمین زرخیز کرنے کیلئے آسان قسطوں پر استعمال کرنے کیلئے دئے جائیں اور گھارو انڈسٹریل ایریا کے مزدوروں کے ساتھ انتظامیہ کے ظلم کو روکا جائے اور فرسٹ سالٹ کے مزدوروں کے ساتھ غنڈہ گردی اور غیر انسانی رویے کو فوراً ختم کیا جائے، ورنہ مزدوروں کی بگڑتی ہوئی حالت کے نتیجے کی ذمہ داری مالکان پر ہوگی۔

ایئرویز ایمپلائز یونین پی۔ آئی۔ اے برانچ مشرقی پاکستان میں بھی رجسٹرڈ ہو گئی

ڈھاکہ (نمائندہ منشور) رجسٹرار ٹریڈ یونین مشرقی پاکستان نے بھی مشرقی پاکستان میں ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کو رجسٹرڈ کر دیا ہے، اس طرح ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ جو مشرقی پاکستان میں پہلے ہی نمائندہ یونین تھی اب بھی بدستور نمائندگی کرتی رہے گی، مشرقی پاکستان میں یونین کو رجسٹریشن ملنے کے بعد مغربی پاکستان میں پی آئی اے کے یکطرفہ سازشی ریفرنڈم کی اہمیت بالکل ہی ختم ہو کر رہ گئی ہے اور اب مغربی پاکستان میں بھی کسی بھی نام نہاد پاکٹ یونین کو ملازمین کی نمائندگی کا کوئی حق نہیں ہے۔ رجسٹرار ٹریڈ یونینز مشرقی پاکستان کے جاری کئے ہوئے رجسٹریشن سرٹیفکٹ کا عکس پیش کیا جا رہا ہے۔

Office of the Registrar of Trade Unions

GOVERNMENT OF EAST PAKISTAN

Certificate of Registration of Trade Union

No. E.P. 1308

It is hereby certified *that the* Airways Employees Union P.I.A. Branch, Dacca *has been registered under the Industrial Relations Ordinance, 1969, this* 10th *day of* January, 1970

H.Ilue 16.1.70

Registrar of Trade Unions, East Pakistan.

واضح رہے کہ مشرقی پاکستان میں رجسٹریشن کی درخواست بہت عرصہ پہلے دی گئی تھی۔ مگر غالباً کچھ "مخصوص" اور "نامعلوم" مقاصد کے تحت اس درخواست پر عملدرآمد ملتوی رکھا گیا۔

مزدور رہنما اشرف حسین رضوی کو رہا کرو

کراچی۔ ۱۱رجنوری (نمائندہ منشور) قومی مزدور محاذ کے علاقائی آرگنائزروں جناب ابوبکر آرگنائزر سائٹ انڈسٹریل ایریا۔ جناب مجاہد محمد دین بیگ آرگنائزر فیڈرل بی انڈسٹریل ایریا (نیوکراچی) جناب عبدالمقیت صدیقی آرگنائزر لانڈھی انڈسٹریل ایریا۔ جناب غلام محمد آرگنائزر کورنگی انڈسٹریل ایریا۔ اور محاذ سے ملحقہ یونینوں، جناب عزیز الحسن جنرل سکریٹری داؤد کاٹن ملز لیبر یونین۔ جناب تاج برخان جنرل سکریٹری جوبلی اسپننگ اینڈ ویونگ ملز مزدور یونین اور اسی یونین کے سرگرم کارکن فضل غنی، جناب حبیب الرحمٰن جنرل سکریٹری شالیمار سلک ملز مزدور یونین نے آج ایک مشترکہ اخباری بیان میں ابھرتی ہوئی مزدور تحریک کو اپنے راستے سے گمراہ کرنے کے لئے سرمایہ داروں ان کے ایجنٹ نام نہاد مذہبی نقاب پوشوں اور پاکٹ یونینوں اور نوکر شاہی کے ناپاک اتحاد کی سخت اور پر زور الفاظ میں مذمت کی ہے اور کہا کہ مزدوروں کے بڑھتے ہوئے شعور سے بوکھلا کر اب سرمایہ دار صنعتی علاقوں میں مزدور دشمن پولیس فورس قائم کرنے کی سازش کر رہے ہیں مزدوروں کی منصفانہ ہڑتالوں کو خلاف قانون قرار دلوا رہے ہیں۔ اور مزدور طبقے کے سروں پر پاکٹ یونینوں اور نام نہاد جمعیت اسلامی کو مسلط کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان حرکتوں میں ملکی انتظامیہ بھی سرمایہ داروں اور ان کے ایجنٹوں کا ہاتھ بٹا رہی ہے ان حرکتوں سے طبقاتی لڑائی تیز ہو رہی ہے اور اس کی ذمہ داری سرمایہ داروں اور ان کے ایجنٹوں پر عائد ہوتی ہے مزدور رہنماؤں نے متنبہ کیا کہ مزدور طبقہ اپنے تمام دشمنوں کو ناکام بنانے کے لئے ہر ممکن کاروائی عمل میں لائے گا جس کی پوری ذمہ داری مزدور دشمن طاقتوں پر عائد ہوگی۔ — انہوں نے مطالبہ کیا کہ ملتان قومی مزدور محاذ کے کنوینر اشرف حسین رضوی، اشفاق احمد ایڈووکیٹ۔ محمود احمد بابر کراچی کے عثمان بلوچ۔ شاہ رضا خاں، وغیرہ سمیت پاکستان بھر میں گرفتار شدہ مزدوروں اور مزدور رہنماؤں کو رہا کیا جائے۔ شالیمار سلک ملز، کھوکھر گلاس ورکس، کراؤن سلک ملز۔ عادل بیکنیز، کراؤن بحب ورکس۔ ہارون لیس اینڈ جنرل ملز اور دوسرے سیکڑوں اداروں کے ہڑتالی ملازمین کے مطالبات تسلیم کئے جائیں۔ مارشل لا کے بعد سے نکالے ہوئے مزدوروں کو کام پر بحال کیا جائے۔ ہنر مندوں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے اور لیبر قوانین کی تمام مزدور دشمن دفعات ختم کی جائیں اور یہ کہ لاقانونیت اور سازش کرنے والے سرمایہ داروں کو سخت اور عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔

بقیہ نوک نشتر

مطالبات بھی کئے جا رہے ہیں جن کو انتظامیہ اپنی سازشوں کی کامیابی میں رکاوٹ سمجھتی ہے۔

قارئین منشور کیلئے مزید خوشخبری کی بات یہ بھی ہے کہ پی آئی اے نے منشور کے لئے اپنا اشتہار بھی بند کر دیا ہے۔ اس کارنامے کا سہرا بھی پی آئی اے کی چمچہ یونین کے سر ہے۔

پی آئی اے میں ریفرنڈم کے بعد چمچہ یونین کے مندرجہ بالا کارنامے اور پی آئی اے انتظامیہ و حکومت کے ساتھ اس کا سازشی گٹھ جوڑ قارئین منشور کے لئے اس لحاظ سے نئے ضرور ہوں گے کہ ایک ٹریڈ یونین کی سرگرمیاں بھی کیا ایسی ہو سکتی ہیں۔ لیکن ایسی باتوں کے مطالعہ کی بھی قارئین کو اب عادت ڈالنی چاہئے کیونکہ مودودی صاحب کی ہدایت کے بعد ابھی کچھ عرصے تک اور بہت سے اداروں سے بھی اسی قسم کی ٹریڈ یونین سرگرمیوں کی خبریں آیا کریں گی کہ مزدوروں کی فلاح و بہبود کے بجائے مزدوروں کے خلاف کارروائیاں کرائی جائیں گی اور اس طرح جماعت اسلامی کے سامراجی مقاصد پورے کئے جائیں گے۔

سیاسی جوکر عرف ”گشتی سامعین“

آپ نے میلوں ٹھیلوں میں اکثر دیکھا ہوگا کہ جگہ جگہ تختوں کی اونچی مچان پر کچھ جوکر اچک اچھا کیا کرتے ہیں چہرے پر لال نیلے پیلے مختلف قسم کے رنگ تھوپے ہوئے ایک پائنچہ غرارے کا ایک پتلون کا۔ ایک آستین کا رنگ سرخ دوسری کا نیلا سینکڑوں رنگوں کی لمبوتری ٹوپی اس طرح سے سرکس کیلئے لوگوں کو کھینچا جاتا ہے۔ مداری جب کسی جگہ تماشہ دکھانے کا ارادہ کرتا ہے تو ایک جگہ اپنا تھیلا اور دوسرا سامان جما کر خالی ٹولی ڈگڈگی بجانی شروع کر دیتا ہے اس کے ساتھ کا بچہ جمورا قلابازیاں لگاتا رہتا ہے۔ اور اس طرح ایک ایک دو دو کرکے لوگ جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑ لگ جاتی ہے۔

ہمارے یہاں اب کچھ سیاسی جماعتوں نے بھی لوگوں کی توجہ کھینچنے کے لئے یہ تو نہیں ہاں اس سے ملتے جلتے طریقے اختیار کرنے شروع کر دئے ہیں جن جماعتوں کے پاس پیسوں کی کمی نہیں ہے وہ تو اپنے بیشتر سامعین بھی ساتھ لئے پھرتی ہیں خاص طور پر ایسی جگہ جہاں انھیں مقامی سامعین نہ ملنے کا اندیشہ ہو یہ گشتی سامعین بچہ جموروں کے فرائض انجام دیتے ہیں اور مقامی لوگوں کو گھیرنے گھارنے میں بہت کام آتے ہیں۔

پہلے ہمیں خود بھی اس بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ مگر جب خود ہم نے پی آئی اے میں ۱۸ر نومبر سے یہ طریقے باقاعدہ استعمال ہوتے دیکھے تب پوری طرح سمجھ میں آیا۔ ۱۸ر نومبر کی ساری ہنگامہ آرائی اسی طرح گشتی کارکنوں کے ذریعے شروع کی گئی اور جب صرف توڑ پھوڑ سے عام لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا تو پولیس لاٹھی چارج کا ڈرامہ کھیلا گیا۔ اور اس طرح وہ مقصد حاصل کیا گیا جو سرکسوں میں جوکروں کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ کافی عرصے تک جاری رہا یہاں تک کہ ۲۹ر دسمبر کو ہونے والے ریفرنڈم میں بھی اسی طرح باہر سے لائے ہوئے ”گشتی ووٹروں“ سے کام لیا گیا جس کی تفصیل انھیں صفحات میں کہیں ملے گی۔

بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ڈھاکہ میں پلٹن میدان کے جلسہ عام کا ہنگامہ بھی اسی مقصد کیلئے کرایا گیا تھا کہ وہاں پر لوگوں کی توجہ حاصل کی جائے اس مقصد کے لئے مغربی پاکستان سے بھی ہزاروں لوگ گئے تھے۔ شاید لوگوں کا خیال صحیح ہو۔ ویسے ”گشتی سامعین“ کے ڈھاکہ جانے والی بات تو اب ڈھکی چھپی نہیں ہے کیونکہ پلٹن میدان کے ”چشم دید واقعات“ ڈھاکہ والوں کی زبانی ابھی تک سامنے نہیں آئے۔ جبکہ لاہور۔ کراچی۔ پنڈی، پشاور وغیرہ کے سینکڑوں ”چشم دید گواہوں“ کے بیانات اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔۔ ویسے ہم پہلے سے ان تمام لوگوں کی تیاریاں خود دیکھ رہے تھے جو بعد میں ڈھاکہ کے واقعات کے چشم دید گواہ بننے والے تھے

پلٹن میدان کے ہنگامہ کے بعد سے ابتک خاص طور پر کراچی کے اخبارات تو اسی ہنگامہ کے سلسلہ میں خبروں اور بیانات سے بھرے رہتے ہیں جس سے یہ اندازہ ہوا کہ غالباً ہنگامے سے وہ مقصد پورا نہ ہو سکا جس کے تحت یہ ہنگامہ کرایا گیا تھا بلکہ اور الٹا اثر پڑا کہ خاص طور پر مشرقی پاکستان کے لوگوں پر یہ ڈرامہ پوری طرح کھل گیا۔ مغربی پاکستان میں اخبارات نے اپنی سی پوری کوشش کی کہ تصویر کا ایک ہی رخ دکھائیں مگر اس کے باوجود جو باتیں چھپائی نہ جا سکیں وہ یہ تھیں۔

۱۔ جلسے کے منتظم کارکنان باقاعدہ مسلح تھے بلکہ پولیس سے زیادہ مسلح تھے اخبارات کی خبروں میں کہا گیا ہے کہ پولیس پہنچنے سے پہلے کارکنان پورا کنٹرول کئے ہوئے تھے اور پولیس نے آکر ان سے ہتھیار رکھوائے ہیں۔

۲۔ اسٹیج کے قریب ایک مخصوص جگہ پر ہزاروں لاٹھیوں کا اسٹاک رکھا ہوا تھا جو کہ مشتعل لوگوں نے نذر آتش کیا اور اسٹیج بھی جل گیا۔

۳۔ جلسہ میں مقررین نے قابل اعتراض تقریریں کیں اور اپنے مخالف لیڈروں کو کافر کہا اور ان کے سیاسی پروگراموں کو خلاف اسلام قرار دیا تھا اس پر سامعین کے ایک حلقے نے اعتراض کیا تھا۔ ہنگامے کا آغاز خود جلسہ کے منتظمین نے اعتراض کرنیوالوں پر ڈنڈے برسا کر کیا۔

۴۔ اخبارات میں جو تصاویر شائع ہوئی تھیں ان میں کارکنان لاٹھیاں لئے ہوئے نہتے لوگوں کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔

لوگ کہتے ہیں

People's Student's Federation;
Gharib Nawaz Hotel, G. T. Road, Baghbanpura.

پیپلز سٹوڈنٹس فیڈریشن
غریب نواز ہوٹل جی - ٹی - روڈ باغبانپورہ - لاہور

LAHORE 26.12.69

محترم مدیر صاحب!

سلام مسنون!

زندگی عرف درندگی کا ہر شمارہ طفیل عباس پر اپنی عنایات کرتا ہے اور بطور خاص ان کے خلاف بے جا پروپیگنڈا کرتا ہے۔

آپ نے منشور کے تازہ شمارہ میں جس طرح جواب دیا ہے ڈر ہے کہ کہیں آپ کے خلاف امریکی مولویوں کی تحریک زور نہ پکڑ جائے پتہ نہیں مزدور، کسان، طالب علم اور دوسرے استحصالی طبقوں کے بیدار ہونے سے امریکی سامراج اور ان کی نازو نعم میں پلی ہوئی ننھی سی جماعت مودودیا کو کیا تکلیف ہوتی ہے؟ آپ ہی سمجھا دیں

آپ اپنے کام کو زور شور سے جاری رکھیں۔ پاکستان کے مزدور کسان اور طلبا آپ کے ساتھ ہیں۔

عرض ہے کہ آپ ہمیں منشور کا سالانہ خریدار بنالیں چندہ رقم آپ کو بذریعہ منی آرڈر بھیج دیئے جائیں گے۔

وقت کی اہم ترین ضرورت

طلبا، مزدور، کسان اتحاد زندہ و پائندہ باد

جاوید اقبال قمر — چیئرمین
پیپلز سٹوڈنٹس فیڈریشن
جی۔ ٹی۔ روڈ باغبانپورہ لاہور



شکار پور۔
مکرمی مدیر ماہنامہ منشور کراچی

ہفت روزہ "گندگی" اپنے تیس مار خاں مدیر صاحب کے شایانِ شان ہے۔ دنیائے صحافت کا نہایت غلیظ، سالہ جو انگریزی رسالہ لائف کی چچوڑی ہوئی ہڈی، اور اس کی ناجائز سوتیلی بہن ہے۔ اس رسالہ گندگی کے پاس پاکستان کے لیڈروں کے لئے سوائے گالیوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس رسالہ کے نزدیک انسان وہ ہے جو فرقہ مودودی کا فرد ہو اور جو کلمہ امریکی سامراج کا حافظ اور امریکی سامراج کا ایجنٹ اور حاشیہ بردار ہو، گندگی انہیں لوگوں کو پسند آئے گی جن کا ضمیر گندہ ہوگا۔ کند ہم جنس باہم جنس پرواز، کبوتر با کبوتر، باز با باز،

ایم اے اعظمی، اعظمی میڈیکل اسٹور کی گیٹ، شکار پور (سندھ)

سلام عقیدت قبول ہو۔

میں آپ سے یہ استدعا کرنا چاہوں گا کہ آپ اس جریدے میں مودودی فرقہ کو جماعتِ اسلامی کے نام سے نہ نوازیں، بلکہ صرف مودودیہ فرقہ ہی کہہ دینا، یا سامراجی لیڈروں کا ٹولہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ اس ٹولے میں اسلام کی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کے مخالف ہیں۔ جو اسلام کا نام لے کر اسلام کو لوٹ رہے ہیں اس لئے ہم ان لیڈروں کی جماعت کو جماعت اسلامی نہیں کہہ سکتے، بلکہ مودودیہ فرقہ یا سامراجی لیڈروں کا ٹولہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ امید ہے آپ میری اس رائے کو قبول فرمائیں گے۔

محمد عارف، عارف برادر، لاہور،

ڈیرہ غازی خان۔

ہر سال نو کے موقع پر ماہنامہ منشور ترجمان نوائے مزدور کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔ اب کہ منشور کی سالگرہ چھٹی ہوگی۔ بندہ اس سالگرہ پر ادارہ و اراکین منشور کی خدمت میں پرجوش دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔ سال نو منشور کی قیمت میں اضافہ بھی ساتھ لایا ہے جسے بندہ لبیک کہتا ہے۔ بندہ منشور کی کامیابی و کامرانی کا خواہش مند ہے۔ منشور غریب طبقہ کی آواز ہے یہ عوام کے دلوں کا ترجمان ہے۔ عوامی منشور کی جدوجہد ہر پاکستانی مسلمان کی جدوجہد اور تحریک ہے۔ اگر منشور کی قیمت ایک روپیہ کردی جائے تو ہم اس قیمت کو بھی لبیک کہہ کر قبول کریں گے یہ ہمارا اپنا ہے کیونکہ سوادِ اعظم کے نقیب، فدایان پاک کے دھڑکتے دلوں کی آواز، استبداد و فرعونیت کا حریف ہے یہ منشور ہی تھا، جو آمریت کے دور میں بھی حقیقت بیان کرتا رہا اس کے گزشتہ پانچ سال انقلابی سال تھے۔ لیکن یہ تحریک جو کہ انقلاب ہے، ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ جاری ہے۔ منشور کے سرپرست عوام ہیں جو کہ طاقت کے اصل مالک ہیں کیونکہ عوام ہی ملک کے مالک ہوتے ہیں چند انسانیت دشمن، انسان نما شیطان، مزدور، کسان، غریب عوام، غریب پرور دشمن انسان اس کے مالک نہیں۔ یہ سرمایہ داروں، اور جاگیرداروں کا نہیں ہے۔

و۔ن۔خان، نزد پتھر بازار ڈیرہ غازی خان،

کراچی

محترم سبط اختر

کافی انتظار کے بعد جنوری ۱۹۷۰ء کے منشور کا شمارہ ہاتھ آیا میں منشور کی چھٹی سالگرہ پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ماہنامہ منشور دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا ہے اور عوام اس کے ذریعے ہمیشہ محنت کشوں کی آواز سنتے رہیں۔ میں منشور کا مستقل ایک سال سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ اور آپ کی دلیرانہ پالیسی دیکھ کر یہ چند سطریں لکھنے پر مجبور ہو رہا ہوں، جنوری سے ادارہ نے منشور کی قیمت میں ۲۵ پیسے کا جو اضافہ کیا ہے وہ انشاء اللہ کسی قسم کی شکایت کا موجب نہیں ہوگا کیونکہ شدید قسم کے مالی بحران کے باوجود ادارہ ۶ سال سے منشور کو شائع کرتا رہا ہے صرف اس لئے کہ یہ پرچہ محنت کشوں کی آواز ہے اور ادارہ نے کبھی محنت کشوں کی جیب پر بار ڈالنا پسند نہ کیا اور اس کے علاوہ اس کا اعتراف ایک سرمایہ دار اور سامراجی ایجنٹ الطاف حسن قریشی نے بھی کیا کہ اس کمر توڑ مہنگائی کے باوجود آخر منشور ۲۵ پیسے میں کس طرح چل رہا ہے میں اس ماہنامہ کے ذریعے الطاف حسن قریشی سے گزارش کرتا ہوں کہ برائے کرم آپ ہم مزدوروں کی بگڑی ہوئی حالت زار پر رحم فرمائیں۔ ہم مزدوروں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور ہم میں انتشار پھیلانے سے خدا کے قہر کے سوا آپ کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ اگر آپ کو مزدوروں کی حالت زار دیکھنی ہے تو جائیے کسی بھی صنعتی ادارے میں مزدوروں میں گھس کر دیکھئے کہ آپ ہی کے بھائی بند اور آپ جیسے سرمایہ دار لیٹرے کس طرح مظلوم اور بے کس مزدوروں پر انسانیت سوز ظلم ڈھا رہے ہیں

مخلص محمد محسن کراچی

کراچی

السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ملا آپ نے منشور کی قیمت کے اضافے کے متعلق لکھا تھا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے کہ چونکہ منشور ایک قومی رسالہ ہے، یہ ہم سب کا فرض ہے کہ منشور پر جو بھی مالی مشکلات آئیں ان کا جواں مردی سے مقابلہ کریں، جناب ہر پاکستانی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ منشور نے پاکستانی قوم اور ملک کی جو خدمت کی ہے اور کر رہا ہے یہ قابل فخر ہے انشاء اللہ تعالیٰ ہر پاکستانی منشور کیلئے قربانی دیگا ہم سب کی دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو ہر طرح کامیابی عطا کرے۔

اکبر رحمٰن دکاندار

سکھر

سلام مسنون

سب سے پہلے میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ نے ہمارے ملک میں سامراجی ایجنٹ مودودی جماعت کے عوام دشمن کردار کو بے نقاب کیا ہے جو کہ امریکی مفادات کی نگہبان ہے۔ اور یہاں کے عوام کو مختلف پروپیگنڈہ مشینری کے ذریعے انھیں ذہنی پسماندگی کی طرف لے جانے کی مجرمانہ کوششوں میں مصروف ہے۔ منشور نے دشمن کو سٹپٹا دیا ہے۔ اور۔ اب ملک کے تعلیمی اداروں میں نام نہاد "تنظیم اساتذہ" کے نام پر کچھ زر خرید بے ضمیر لوگوں نے بچوں کو بھی ورغلانا شروع کر دیا ہے۔ برائے مہربانی اس پر آپ قلم اٹھائیں۔

فقط

منظفر حمید

موارڑہ تحصیل کہوٹہ

السلام علیکم

میں کئی ماہ سے منشور کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ اور یہی وہ رسالہ ہے جو قومی امنگوں کا ترجمان ہے اور پاکستانی عوام کی بحالی جمہوریت کے لئے جدوجہد میں مددگار ثابت ہو رہا ہے اور انشاءاللہ آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ اس کے علاوہ "زندگی" کے بارے میں میں صرف یہی کہتا ہوں کہ رسالہ عوام کے کسی طبقے میں مقبول نہیں ہو سکتا بے شک کیوں نہ لوگوں کو آدھی قیمت پر دیا جائے اور جس طرح سے منشور سامراجیوں اور سرمایہ داروں کے خلاف آواز بلند کر رہا ہے اور مزدوروں کے حقوق کے لئے جس رفتار سے جدوجہد کر رہا ہے وہ تسلی بخش ہیں۔ ہم مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ اے باری تعالیٰ اس ملک کو سامراجیوں اور سرمایہ داروں سے بچا لیجئے کیونکہ یہ ملک مسلمانوں کے لئے بنایا گیا تھا نہ کہ امریکیوں کے لئے۔ آخر میں میں اپنے پاک پروردگار سے گڑگڑا کر دعا مانگتا ہوں کہ منشور کو پہلے سے بھی کامیابی حاصل ہو تاکہ دشمن کے ہتھکنڈوں کو ناکام بنا دے امین

مجیب اسلام

راجہ جنگ ضلع لاہور

گرامی قدر

گزارش ہے۔ کہ جناب کا رسالہ منشور بابت ماہ نومبر اتفاقاً راستے میں ملا۔ کیونکہ ہماری طرف تو کوئی بک اسٹال نہیں، ویسے کافی عرصہ ہوا سنا تھا کہ آپ کا رسالہ سامراجیت اور سرمایہ داروں کے پرخچے اڑا رہا ہے، دیکھا تو واقعی ویسا ہی پایا کہ آپ مزدور اور محنت کش طبقے کی حمایت میں سرگرم ہیں آپ کا زور قلم اور زیادہ ہو۔ دل چاہتا ہے کہ آپ کا رسالہ ہمیں ہر ماہ ملتا ہے مگر یہاں تو اس کا حصول مشکل ہے، اس لئے آپ برائے مہربانی اپنا رسالہ براہ راست ارسال کرتے رہا کریں، تاکہ ان سامراجی ایجنٹوں کے ہتھکنڈوں سے واقفیت حاصل ہو۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی ان کے دام فریب سے بچایا جا سکے امید ہے کہ میری یہ گزارش رائیگاں نہیں جائے گی۔ فقط

محمد اسحاق حقانی مدرس

نوشہرہ فیروز سندھ

مکرمی

گزارش ہے کہ آپ کا پیپر منشور کی قیمت بڑھانے کا ملا۔ جناب عالی منشور ایک ایسا ماہنامہ ہے کہ اگر اس کی قیمت ایک روپیہ کاپی بھی ہو گی تو پروانے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خریدنے کو تیار ہیں، برائے کرم سابقہ تعداد کی ترسیل جاری رکھیں۔

فقط علی احمد میمن تاج نیوز ایجنسی

کراچی

مکرمی سبط اختر صاحب

لاہور کے سامراجی ہفت روزہ چیتھڑے گندگی نے اپنی ۲۶ جنوری کی اشاعت میں ایک اور دلچسپ انکشاف کیا ہے، کہتے ہیں کہ منشور کا ڈیکلریشن دراصل "جون ایلیا" کے نام ہے مگر اس پر بحیثیت پبلشر کے آپ کا نام چھپتا رہا ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا واقعی جماعت اسلامی کے پاس عقل نہیں ہوتی ہے۔ ان عقل کے دشمنوں سے کوئی پوچھے کہ گزشتہ چھ سال سے حکومت کے رجعت پرست اور جماعت مودودی کے آلۂ کار افسران منشور پر پابندی لگانے کے بہانے تلاش کرتے رہے ہیں اگر گندگی کا انکشاف درست ہے تو ان سامراج نوازافروں کیلئے منشور کے خلاف کارروائی کرنیکا اس سے اچھا موقع اور کونسا ہوتا۔ وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منشور بند کر دیتے۔

اب یہ یقین ہو چلا ہے کہ ہفت روزہ گندگی عوام دوست حلقوں کے خلاف محض جھوٹا بے بنیاد اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنیکے لئے جاری کیا گیا ہے۔

محمد زکریا

بقیہ خبر نامہ

شالیمار سلک ملز۔ بنارس ساڑھی ہاؤس۔ کراؤن ملز

کھوکھر گلاس ورکس کے ہڑتالیوں کے مطالبات پورے کرو

کراچی، ۱۴ جنوری (نمائندہ منشور) قومی مزدور محاذ کے علاقائی آرگنائزروں جناب ابوبکر آرگنائزر سائٹ انڈسٹریل ایریا، جناب مجاہد محمد دین بیگ آرگنائزر فیڈرل بی ایریا انڈسٹریل ایریا۔ جناب عبدالمقیت صدیقی۔ آرگنائزر لانڈھی انڈسٹریل ایریا جناب غلام محمد آرگنائزر کورنگی انڈسٹریل ایریا نے ایک مشترکہ اخباری بیان میں شالیمار سلک ملز۔ بنارس ساڑھی ہاؤس۔ کراؤن سلک ملز عزیز آباد، کھوکھر گلاس ورکس کے ہڑتالی مزدوروں کی مکمل حمایت کی ہے اور کہا کہ یہاں کے مزدوروں نے دستور اور ضابطے سے بھی زیادہ مدت تک اپنے مالکان سے مناسب سمجھوتے کیلئے انتظار کیا۔ لیکن منتظمین لس سے مس نہ ہوئے اور مزدوروں کو ہڑتال پر جانا پڑا۔ یہ صورت حال سخت افسوسناک ہے اور اس کے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اس لئے محکمہ محنت کو مزدوروں کے مسائل پر یوں بے لبی ظاہر نہیں کرنی چاہیئے، مزدور رہنماؤں نے ہڑتالی مزدوروں کو قومی مزدور محاذ کی طرف سے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور مطالبہ کیا کہ حکومت ہٹ دھرم قانون شکن سازشی ملز مالکان کے خلاف کارروائی کرے، اشرف حسین رضوی۔ اشفاق احمد۔ محمود احمد بابر عثمان بلوچ وغیرہ سمیت پاکستان بھر میں گرفتار شدہ مزدوروں اور مزدور رہنماؤں کو رہا کیا جائے ہنرمند مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ کیا جائے، گریجویٹی ہر صورت میں دلوائی جائے مارشل لا کے بعد نکالے جانیوالے تمام مزدوروں کو کام پر بحال کروایا جائے تاکہ صنعتی حالات کی بہتری کی شکل پیدا ہو سکے۔

بقیہ صحرا بہ صحرا کو بہ کو

فلائنگ کے لئے فضا میں بلند ہوئے اور پھر اسرائیلی فضائیہ میں جا شامل ہوئے۔ اسرائیل نے تین بمبار طیارے ۱۷۔بی بنڈوران ایئر لائنز کے نام سے خریدے یہ طیارے بھی اسرائیلی فضائیہ کا حصہ بنا لئے گئے اور انھوں نے ۱۹۶۷ء کی جنگ کے دوران قاہرہ اور دمشق پر حملے کئے۔ بعض غیر ملکی اطلاعات کے مطابق حال ہی میں اسرائیل نے نہر سوئز کے اس پار واقع ایک راڈر یونٹ (۱۲-پی) ہیلی کاپٹروں کے ذریعے چرا لیا ہے۔

اسرائیل کی ڈاکہ زنی اور جارحیت کے پیچھے امریکی سامراج کی پشت پناہی اور ہاتھ شامل ہے اور اسی کے بل بوتے پر اسرائیلی درندے مشرق وسطیٰ میں آگ اور خون کی ہولی کھیل رہے ہیں یہ کھیل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک بعض عرب بادشاہتیں امریکی سامراج سے تعلقات منقطع کر کے اسرائیل اور سامراج دشمن عرب محاذ قائم نہ کر لیں



یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

یہ ہماری سعیِ پیہم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملا ملوکیت کے بندے ہیں تمام

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کیلئے مرگِ مفاجات

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

اپریل، مئی ۶۹ء

قیمت پچاس پیسے

میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

خودی کی موت سے پیرِ حرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھائے مسلماں کا جامۂ احرام

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں! ذرا
دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ ملت روایات میں کھو گئی

آہ! کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو

وائے نادانی! کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا
مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو

بے خبر تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے!
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان اپنی منزل آسمانوں میں

سلطانیِ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی
ان کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری